ومدلل
مسائل
شبِ برات وشبِ قدر
محمد رفعت صاحب قاسمی
دار العلوم دیوبند
مکتبہ قاسمی مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

مکمّل ومُدلّل

مسائلِ شبِ براَت وشبِ قدر

قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرات مفتیانِ کرام دارالعلوم دیوبند کی تصدیق کے ساتھ

مؤلف

مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ قاسمی

مٹیامحل، جامع مسجد، دہلی۔ 110006

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: ....مسائلِ شبِ برأت وشبِ قدر

مؤلف: ....مَولانا محمد رفعت صاحب قاسمی

صفحات: 120

سن طباعت: ....جنوری 2005ء

قیمت: ....-/35 روپئے

ناشر:

مکتبہ قاسمی

ٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔110006

سول ایجنٹ:۔ مجیب پبلشنگ ہاؤس دیوبند۔یو۔پی۔

فہرست عنوانات مسائلِ شبِ برأت وشبِ قدر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انا انزلنه في ليلة القدر ٥ وما ادرىك ما ليلة القدر ٥ ليلة القدر خير من الف شهر ٥ تنزل الملئكة والروح فيها باذن ربهم من كل امر ٥ سلم هي حتى مطلع الفجر ٥

انا انزلنه في ليلة مبركة انا كنا منذرين ٥ فيها يفرق كل امر حكيم ٥

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو اُم المؤمنین زوجۂ مطہرہ سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، جن کے ذریعے اسلام کی بہت سی تعلیمات اور ان مبارک راتوں کے اعمال ہم تک پہونچے۔

محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ

عرضِ مؤلف

الحمدﷲ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّدالمرسلین وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین۔

الحمدﷲ کہ آٹھویں کتاب "مکمل ومدلل مسائل شبِ برأت وشبِ قدر" ہدیۂ ناظرین ہے، جس میں فضائل ومسائل وبے شمار جزئیات اور اعمالِ مسنونہ قرآن واحادیث کی روشنی میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے احقر کی کاوشیں حضرات مفتیانِ کرام دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم کی نگاہوں سے گزر کر منظرِ عام پر آرہی ہیں، یااللہ ان تمام حضرات کا سایۂ عاطفت تادیر قائم رکھیئے آمین۔

بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ اپنے فضل وکرم سے سابقہ کتابوں مکمل ومدلل مسائلِ امامت، مکمل ومدلل مسائل تراویح، مکمل ومدلل مسائلِ روزہ، مکمل ومدلل مسائلِ اعتکاف، مکمل ومدلل مسائل نمازِ جمعہ، مکمل ومدلل مسائلِ عیدین وقربانی اور آدابِ ملاقات کی طرح اس کتاب کو بھی مقبول ونافع دارین بناکر آئندہ بھی اسی نہج پر خدمت انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ مدرّس دارالعلوم دیوبند

۱۲، ادی الثانی ۱۴۱۲ھ
مطابق ۲۲ر دسمبر ۱۹۹۱ء

تصدیق

جامع شریعت وطریقت، فقیہ الامّت سیّدی حضرت مولانا مفتی محمود حسن دامت برکاتہ چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

محترم مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند نے دینی سابق تالیفات کی طرح شب برأت وشب قدر سے متعلق مسائل منتشرہ کو مختلف کتب فتاویٰ وغیرہ سے جمع فرماکر امت پر احسان فرمایا ہے۔ امید کہ اس مجموعہ کے ذریعہ شب برأت وغیرہ سے متعلق بدعات ورسوم کا انسداد ہوگا،

حق تعالیٰ شانہ قبول فرمائے، اُمّت کے لیے نافع ومفید بنائے اور مؤلف موصوف کو ترقیات سے نوازے، نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

العبد محمود غفرلہ
چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند

۱۴۱۲ھ

ارشاد گرامی

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہ'

صدر مفتی دار العلوم دیوبند

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین وعلیٰ اصحابہ واتباعہ التابعین لھم الیٰ یوم الدین۔

پیش نظر انتخاب فتاویٰ اس کے افادیت میں اور ہر شخص کے لیے نافع ہونے میں دو رائے نہیں اس لیے کہ تمام مندرج کتاب وہ فتاویٰ من وعن ہیں جو اکابر معتبرین کے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پیشِ نظر تالیف کو بھی عزیزِ موصوف کے دیگر مجموعات کی طرح مقبول و نافع بنائے۔ آمین فقط

کتبہ العبد نظام الدین

رجب ۱۲ ۱۴ھ

جنوری ۱۹۹۲ء

رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب زید مجدہم مفتی دار العلوم دیوبند

الحمد للہ والمنۃ کہ مولانا قاری محمد رفعت صاحب قاسمی مدرس دار العلوم دیوبند کی متعدد کتابیں شائع ہو کر اہل علم اور عوام میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

اب موصوف نے زیر نظر کتاب "مسائل شب برأت وشب قدر" پر مختلف مستند فتاویٰ اور کتابوں سے ان کے احکام ومسائل اور فضائل جمع کرنے کی جدوجہد فرمائی ہے اور ماشاء اللہ موصوف اپنی اس خدمت میں بھی پہلے کی طرح پورے طور پر کامیاب ہیں۔ میں نے ان کا یہ مسودہ پڑھا، اور خوشی ہوئی کہ اس میں مختلف کتابوں اور فتاویٰ کے مضامین ومسائل بڑے دل چسپ و دل پذیر انداز میں جمع ہو گئے ہیں۔ جگہ جگہ سے پڑھ کر مجھے دلی مسرت ہوئی، اور بہت سے مسائل جو ذہن میں نہیں تھے وہ بھی میری نگاہوں سے گذرے، اس طرح استفادہ کی صورت بھی سامنے آئی اور دل سے موصوف کے لیے دعائیں نکلیں، اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کو صحت وسلامتی کے ساتھ اس طرح کی علمی خدمات کا برابر موقع عطا کرتا رہے اور یہ عوام وخواص کو اپنی محنتوں سے مستفید کرتے رہیں، ماشاء اللہ قاری صاحب زید مجدہٗ ابھی جوان ہیں، ہمیں پوری توقع ہے کہ آپ اپنی یہ علمی سرگرمیاں جاری رکھیں گے۔

"مسائل شب برأت وشب قدر" یک جا پڑھ کر ہر پڑھنے والا خوشی محسوس کرے گا اور ان دونوں مبارک راتوں کو صحیح طور پر گزارنے کی اسے توفیق حاصل ہوگی، اور اس طرح وہ بہت ساری برکتیں اور نیکیاں اپنے نامۂ اعمال میں جمع کر لے گا جو دنیا وآخرت دونوں جگہوں میں اس کے لیے کار آمد اور فلاح وصلاح کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔

عوام الناس میں اس سلسلہ میں جو غلط بدعات وخرافات پیدا ہو چکی ہیں، ان کی

اِس کتاب میں نشاں دہی بھی کی گئی ہے اوران سے بچنے کی تاکید بھی ہے۔ مختصر یہ کہ زیرِ نظر کتاب ہر طرح جامع اور مکمل ہے اور ہر طرح کے احکام ومسائل پر حاوی ہے۔

نوجوان علماء، جدید تعلیم یافتہ حضرات اور عوام سبھوں سے میری گذارش ہے کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں، اِن شاء اللہ ان کی رہ نمائی ہوگی، اور وہ ان راتوں کو اسی طرح گذارنے کی سعی کریں گے جس طرح حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مبارک راتوں کے متعلق حکم فرمایا ہے۔

اخیر میں میری دعاء ہے کہ رب العالمین مؤلف کی یہ خدمت قبول فرمائے اور اسے ان کی دنیاوی و دینی فلاح کا ذریعہ اور وسیلہ بنادے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

طالبِ دُعاء
محمد ظفیر الدین غفرلہٗ
مفتی دار العلوم دیوبند
مؤرخہ یکم شعبان المعظم ۱۴۱۲ ہجری بدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ (سورۃ الدخان پارہ ۲۵)

ترجمہ:۔ حٰمٓ (اس کے معنیٰ اللہ ہی کو معلوم ہیں) قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر ایک برکت والی رات میں اتارا ہے کیونکہ ہم بوجہ شفقت کے اپنے ارادہ میں اپنے بندوں کو آگاہ کرنے والے تھے یعنی ہم کو یہ منظور ہوا کہ مضرتوں سے بچانے کے لیے خیر و شر پر مطلع کر دیں، یہ قرآن کو نازل کرنے کا مقصد تھا، آگے اس شب کے برکات و منافع کا بیان ہے کہ اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم صادر ہو کر طے کیا جاتا ہے یعنی سال بھر کے معاملات جو سارے کے سارے ہی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں جس طرح انجام دینے اللہ کو منظور ہوتے ہیں اس طریقے کو متعین کر کے اُن کی اطلاع متعلقہ فرشتوں کو کر کے ان کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں، چونکہ وہ رات ایسی ہے اور نزولِ قرآن سب سے زیادہ حکمت والا کام تھا اس لیے اس کے لیے بھی یہی رات منتخب کی گئی۔ (معارف القرآن ص۹ ج۷)۔

اس کے متعلق عکرمہ رح اور مفسرین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ "لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ" سے مراد شب برات ہے جیسا کہ "فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ" سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس تفسیر پر اس آیت سے ماہِ شعبان کی پندرھویں شب کی خصوصیت سے بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

نزولِ قرآنی سے مراد حقیقۃً نزولِ قرآنی نہیں ہے۔ بلکہ نزول کا فیصلہ مراد ہے کہ اس مبارک رات میں ہم نے قرآن کو نازل کرنے کا فیصلہ کر دیا تھا، پھر نزولِ حقیقی شبِ قدر میں ہوا۔

شب برات میں امور محکمہ کے فیصلے ہوا کرتے ہیں اس لیے ظاہر ہے کہ شب برات میں اس کا بھی فیصلہ کیا گیا ہوگا کیونکہ قرآن شریف کے نازل کرنے سے بڑا امر محکم اور کون سا ہو سکتا ہے۔ (فضائل الایام والشہور صـ ۱۰۸)

شب برات میں حکم ہوا کہ اس دفعہ رمضان میں جو شب قدر آئے گی اس میں قرآن نازل کیا جائے گا، پھر شب قدر میں اس کا وقوع ہو گیا، کیونکہ عادۃً ہر فیصلہ کے دو مرتبے ہوتے ہیں، ایک تجویز، ایک نفاذ، یہاں بھی دو مرتبے ہو سکتے ہیں کہ تجویز تو شب برات میں ہو جاتی ہے اور نفاذ لیلۃ القدر میں ہوتا ہے۔ غرض آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد جو بھی ہو لیکن احادیث سے تو اس رات کا بابرکت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (التبلیغ صـ ۱۴۱ ج ۸)۔

وجہ تسمیہ

شعبان شعب و تشعب سے مشتق ہے جس کے معنی تفرق اور پھیل جانے کے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ اس ماہ میں روزہ رکھنے والے پر رحمتوں اور بھلائیوں کا نزول ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے، چونکہ یہ مہینہ رحمتوں کے پھیلنے کا ہے اس لیے اس کو شعبان کہا جاتا ہے۔ (فضائل الایام والشہور صـ ۹۹)

شعبان کے حروف

شعبان کے پانچ حروف ہیں:۔ ش۔ ع۔ ب۔ ا۔ ن ان میں ہر حرف ایک ایک بزرگی کی نشان دہی کرتا ہے۔ ش کا اشارہ شرف کی طرف ہے۔ ع بلندی کی طرف اشارہ کرتا ہے ب سے مراد بر یعنی نیکی ہے۔ الف سے مراد الفت اور ن کا حرف نور کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ یہ پانچوں انعامات اللہ کی جانب سے اس ماہ شعبان میں بندوں کو دیئے گئے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین صـ ۳۵۶)

شعبان کی قدر و قیمت

ہر عقلمند کے لیے ضروری ہے کہ شعبان کے مہینہ میں غفلت نہ کرے اور ماہ رمضان المبارک کے استقبال کے لیے اس ماہ میں تیاری کر لے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کر لے، جو اعمال

اس سے رہ گئے ہیں ان کو پورا کرے۔ ماہِ شعبان میں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی وزاری کرے۔ سچے دل سے اس کی طرف رجوع کرے۔ اس ماہ کی نسبت والے کی طرف یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرے تاکہ اس کا دل صاف ہو سکے، اور باطن کے امراض کے لیے دوٗ کام انجام دے۔ یہ کام ملتوی نہ کرے (بلکہ اسی مہینہ میں انجام دے) کیونکہ اصل میں تین ہی دن ہیں، ایک کل کا دن ہے جو گذر گیا۔ دوسرا موجودہ دن جو کام کرنے کا ہے اور تیسرا آئندہ کا دن جو اُمید کا دن ہے اور آئندہ کے بارے میں کسی کو کچھ علم نہیں کہ زندہ بھی رہے گا یا نہیں؟۔

جو دن گذر چکا ہے اس سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ موجودہ دن کو غنیمت جاننا چاہیئے اور آئندہ کا دن خطرے کا دن ہے یعنی شاید وہ دن آئے یا نہ آئے۔ یہی حال ان تینوں مہینوں کا ہے۔ رجب گذر جاتا ہے اور رمضان کا انتظار ہوتا ہے۔ یہ کسی کو علم نہیں کہ اس ماہ کے آنے تک زندہ رہے گا یا نہیں۔ شعبان ان دونوں کے درمیان ہے، اس مہینہ کے آنے پر خدا کی عبادت اور اطاعت غنیمت جانو۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزیں غنیمت جانو۔ بڑھاپے سے قبل جوانی، بیماری سے قبل تندرستی، فقیری سے پہلے تونگری (مالداری)، مصروفیت سے قبل فراغت اور موت سے قبل زندگی۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۵۷)۔

شعبان اور صحابہ کرامؓ کا عمل

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ اصحاب شعبان کا چاند دیکھ کر قرآن کریم (زیادہ) پڑھا کرتے تھے، مسلمان اپنے مال سے زکوٰۃ بھی نکالا کرتے تھے تاکہ غریب اور مسکین لوگ فائدہ اُٹھا سکیں اور ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے لیے ان کا کوئی وسیلہ بن جائے۔ حاکم لوگ قیدیوں کو بلا کر ان میں سے جو حد (سزا) جاری کرنے کے لائق ہوتے تھے، ان پر حد

جاری کرتے تھے، باقی قیدی رہا کر دیئے جاتے تھے۔ کاروباری لوگ بھی اسی ماہ میں اپنا قرض ادا کیا کرتے تھے، اور دوسروں سے جو کچھ وصول کرنا ہوتا تھا وصول کر لیا کرتے تھے۔ ماہِ رمضان کا چاند نظر آنے پر لوگ غسل کرتے اور اعتکاف میں بیٹھ جاتے تھے (غنیۃ الطالبین صـ۳۵۶)۔

بہترین انتخاب

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فرمان ہے وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (پارہ ۲۰ رکوع ۱۰)۔ اللہ جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس چیز کو چاہے برگزیدہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کردہ چیزوں میں سے چار چیزیں چن لیں (منتخب کرلیں) پھر ان میں سے ایک کو منتخب کر لیا۔ سب فرشتوں میں چار کو بزرگ کیا یعنی جبرئیلؑ، اسرافیلؑ، میکائیلؑ اور عزرائیلؑ پھر ان چاروں میں سے ایک یعنی جبرئیلؑ کو منتخب فرمایا۔ اور نبیوں میں حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو، چناں چہ ان میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کر لیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو چُن لیا۔ پھر ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو برگزیدہ کیا۔ مسجدوں میں مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد مدینہ یعنی مسجد نبویؐ، مسجد طور سینا کو چُنا گیا، پھر ان میں سے مسجد حرام کو برگزیدہ کیا گیا۔

دنوں میں سب سے بہتر عید الفطر، عید الضحیٰ، عرفہ اور عاشورہ کے دن ہیں، پھر ان میں سے عرفہ (دس ذی الحجہ) کو دوسرے دنوں پر ترجیح دی گئی۔ راتوں میں شب برات، شب قدر، شب جمعہ، شب عید پسند فرمائیں۔ پھر ان میں سے شب قدر کو سب پر فضیلت دی۔

مکہ، مدینہ، بیت المقدس اور مساجد العشار چار مقامات کو بزرگی دی، پھر ان میں سے مکہ کو افضلیت بخشی۔ پہاڑوں میں سے چار پہاڑوں کو چُن لیا، اُحد، سینا و لکام اور لبنان۔ اور ان چاروں میں سے طور سینا کو پسند کیا۔

دریاؤں میں ان چار کو فضیلت دی، جیحون، سیحون، فرات اور نیل۔ پھر ان میں

سے قرات کو افضل قرار دیا۔ مہینوں میں رجب، شعبان، رمضان اور محرم کو بزرگی دی پھر ان میں سے شعبان کو ترجیح دی دوسرے مہینوں پر، شعبان کو پیغمبر ص کا مہینہ قرار دیا یعنی جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب پیغمبروں سے افضل ہیں، اسی طرح یہ شعبان کا مہینہ بھی دوسرے مہینوں سے افضل ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص۳۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعبان میرا مہینہ ہے، رجب اللہ کا مہینہ ہے، رمضان میری اُمت کا مہینہ ہے۔ اور اور شعبان گناہ سے دور کرنے والا ہے، رمضان کا مہینہ آدمی کو پاک صاف کرتا ہے (گناہوں سے)۔

آپ کا ارشاد ہے کہ شعبان، رجب اور رمضان کے درمیان ایک ایسا مہینہ ہے جس کی بزرگی کا لوگوں کو علم نہیں۔ اس مہینہ میں لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے پاس پہونچائے جاتے ہیں، لہٰذا میری خواہش ہے کہ جب میرے اعمال لے جائے جائیں تو اس وقت میں روزہ سے ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رجب دوسرے مہینوں پر وہی بزرگی رکھتا ہے جو قرآن مجید دوسری تمام کتابوں پر۔ اسی طرح شعبان کی بزرگی دوسرے مہینوں پر اسی طرح ہے جس طرح مجھے تمام نبیوں پر بزرگی دی گئی ہے۔ رمضان کی بزرگی باقی مہینوں پر ایسی ہے جیسی ساری مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی بزرگی۔ (غنیۃ الطالبین ص۳۵۵)۔

فضائل شب برات

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ چار راتیں ایسی ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ سب لوگوں پر نیکیوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ عید الضحیٰ، عید الفطر، شعبان کی درمیانی رات اور عرفہ کی رات ان میں اللہ تعالیٰ لوگوں کی عمریں، ان کا رزق اور ان کے حج کے بارے میں احکام لکھ دیتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص۳۶۲)۔

شب برات کو بھی "مبارک" اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس رات میں لوگوں پر رحمت اور برکت اور اللہ تعالیٰ کی بخشش نازل ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعبان کی درمیانی رات میں دنیا کے آسمانوں کی طرف حکم الٰہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بخش دیتا ہے، مگر مشرک، کینہ رکھنے والے، قطع رحمی کرنے والے اور زانیہ کو نہیں بخشتا۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۵۹)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ روزوں میں بہتر روزے کون سے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا شعبان کے روزے، رمضان المبارک کے روزوں کی تعظیم کے لیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک شعبان کا مہینہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ رمضان المبارک کے قریب ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص شعبان کے آخری دوشنبہ کو روزہ رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے، یعنی اس ماہ کا آخری دوشنبہ نہ کہ اس مہینے کا آخری دن، اس لیے کہ رمضان سے ایک دو دن پہلے (عام لوگوں کے لیے) روزہ رکھنا منع ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس مہینے کا نام شعبان اس لیے پڑا کہ اس میں بہت سی نیکیاں تقسیم کی جاتی ہیں اور رمضان نام اس لیے پڑا کہ اس میں سارے گناہ جلا دیئے جاتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۵۵)۔

خصوصیات شب برات

شب برات کی یہ خصوصیت ہے کہ اس رات میں مغرب کے بعد ہی سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی تجلیات و توجہات کا آسمانِ دنیا پر نزول ہوتا ہے اور عام اعلان

ہوتا ہے کہ کیا کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ کیا کوئی رزق مانگنے والا ہے کہ میں اس کو رزق دوں، کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ میں اُسے نجات دوں۔ کیا کوئی ایسا ہے؟

غرض تمام رات اسی طرح دربار رہتا ہے اور عام بخشش کی بارش ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ فجر (صبح صادق) ہوجاتی ہے اور دربار برخاست ہوجاتا ہے۔

اس قسم کا دربار اگرچہ تمام سال ہر رات کو ہوتا ہے، مگر وہ آخری تہائی رات کے وقت سے مخصوص ہے۔ اس رات کی یہ فضیلت ہے کہ دربار غروبِ آفتاب کے بعد ہی سے شروع ہوجاتا ہے اور فجر کے وقت تک رہتا ہے۔ یہ وہ رات ہوتی ہے جس میں رحمتیں تقسیم ہی نہیں کی جاتیں بلکہ صحیح معنی میں لٹائی جاتی ہیں۔ مگر افسوس کہ اب کتنے خوش قسمت ہیں جو اس لُوٹ سے حصہ لیتے ہیں، شاید فی صد ایک دو بھی نہ ہوں؟

اس ماہ کے دیگر خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس مہینہ میں آئندہ سال مرنے والوں کا پروانۂ حیات چاک کردیا جاتا ہے۔ اس لیے بھی ضرورت ہے کہ اس ماہ میں خصوصیت کے ساتھ نیک اعمال کیے جائیں تاکہ زندگی کا فیصلہ ہوتے وقت وہ ایک نیک کام میں مشغول ہو۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ آپ شعبان میں بہت زیادہ روزے رکھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضور صؐ نے یہی جواب دیا کہ حق تعالیٰ اس مہینہ میں آئندہ سال مرنے والوں کے نام تحریر فرماتے ہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ میری وفات کا نوشتہ ایسے وقت میں لکھا جائے جبکہ میں روزہ دار ہوں۔ اس سے اشارۃً یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جس شخص کا نوشتہ وفات ایسے وقت میں لکھا جائے گا کہ وہ کسی اچھے کام یعنی عبادت میں مشغول ہو تو فضلِ خداوندی سے قوی امید ہے کہ اس شخص کی موت بھی اچھی حالت میں ہوگی، ان شاء اللہ تعالےٰ اس کا خاتمہ بخیر و خوبی ہوگا۔ (فضائل الایام والشہور ص۱۰۲)

اِمتحان کا وقت

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَعْبَانُ شَهْرِیْ وَرَمَضَانُ شَهْرُ اللّٰهِ۔

ترجمہ:۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔

تشریح:۔ شعبان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مہینہ فرمارہے ہیں، اس مہینہ کو اپنی جانب منسوب فرماتے ہیں۔ اس کے بعد شعبان کے دیگر فضائل کے بیان کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ جو مہینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا، اس کی عظمت، اس کی فضیلت و بڑائی معلوم ہے۔ اس ماہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس مہینہ میں حق تعالیٰ کے سامنے تمام بندوں کے سال بھر کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "شعبان کا مہینہ جو رجب اور رمضان کے درمیان ہے لوگ اس سے غافل ہیں اُس میں حق تعالیٰ کے سامنے بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں چنانچہ میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال... روزہ دار ہونے کی حالت میں پیش کیے جائیں۔" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)۔

ہم نے عام مدرسوں اور کالجوں وغیرہ میں دیکھا ہے اور جس کا جی چاہے دیکھ سکتا ہے کہ جب سال قریب الختم ہوتا ہے اور تمام سال کی تعلیم کا جائزہ (امتحان) لینے کا وقت قریب آجاتا ہے تو کم محنت سے کم محنت اور بدشوق سے بدشوق طالب علم بھی کتابوں کی ورق گردانی و تکرار و مطالعہ میں مشغول ہو جاتا ہے غرض یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کسی چیز کے جائزہ لینے کا وقت آتا ہے فطرۃً ہر آدمی کو اس کی طرف توجہ کرنا پڑتی ہے۔

یہی حال اعمال کا ہے۔ یہ دنیا انسانوں کی دائمی قیام گاہ نہیں ہے، انسان کو اس میں ہمیشہ قیام کرنا نہیں، بلکہ ایک ہوٹل یا سرائے ہے کہ ایک دو روز کے لیے یا چند روز کے لیے اُس میں مسافرانہ قیام کر لیا جاتا ہے۔ الدنیا مزرعۃ

الآخرة کا مشہور مقولہ تو آپ نے بھی سنا ہو گا۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے کچھ روز کے لیے دنیا میں امتحاناً بھیج دیا ہے کہ دیکھیں یہ کیسے اعمال کرتا ہے، یہ اپنی عاقبت سنوارتا ہے یا بگاڑتا ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اللہ نے انسان کو دنیا میں بھیج کر آزاد چھوڑ دیا ہو، نہیں بلکہ ہر سال اس کے گذشتہ اعمال کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے اور آئندہ سال کے لیے (ہماری اصطلاح میں) اُس کا بجٹ منظور کیا جاتا ہے۔

شعبان کا مہینہ امتحان کا مہینہ ہے، اس میں تمام سال کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور اُن پر آئندہ کے احکام صادر کیے جاتے ہیں۔ گذشتہ حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکتہ کی طرف امت کی رہ نمائی فرمائی ہے کہ یہ مہینہ ہمارے اعمال کے جائزہ لینے کا ہے اس لیے ان میں خصوصی طور پر اس مہینہ میں نیک اعمال کرنا چاہئیں اور بالکل اُسی طرح جیسے تم عام امتحانوں میں کیا کرتے ہو اس امتحان میں بھی گذشتہ کوتاہیوں کی تلافی اور امتحان کی پوری پوری تیاری کر لینا چاہیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی نہیں بلکہ خود کر کے دکھا بھی دیا اور عملی نمونہ بن کر ہمارے لیے ایک نیک مثال قائم فرما دی۔

چناں چہ مجموعۂ احادیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے تھے رمضان کے علاوہ اور کسی دوسرے مہینہ کو یہ خصوصیت حاصل نہیں تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام شعبان میں روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ رمضان آجاتا تھا اور دوبارہ رمضان المبارک کے روزے شروع فرما دیتے تھے۔

ہاں امت کو اس ماہ کی خیر و برکت سے بالکل ہی محروم نہ رہنے کے لیے اس کی اجازت دی جائے گی کہ شعبان کے نصف اول میں روزے رکھ لیا کریں اور نصف آخر میں آرام کر لیں کہ رمضان کے روزوں کے لیے تازہ دم ہو جائیں۔ پورے شعبان کے روزے رکھنے کی ممانعت کی وجہ بظاہر ضعف کا خوف ہے کہ

رمضان کے روزوں میں اس کی وجہ سے کوتاہی نہ ہو، لہٰذا اگر کوئی قوی اور توانا ہو اور اس کی صحت اچھی ہو کہ دو ماہ کے مسلسل روزوں سے اس کی صحت و قوت پر کوئی اثر نہ پڑے تو اس کو اس کی اجازت بھی دے دی جائے گی کہ شعبان اور رمضان کے مسلسل روزے رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ قول اُمت کے لیے اور عمل اپنے لیے۔ (فضائل ایام و شہور ص۱۰۱)

شب برأت کیا ہے؟

اسلام کے دیئے ہوئے عقیدۂ توحید کی رُو سے زمانہ کی ہر ساعت، گھڑی، وقت اور شب و روز کا ہر لمحہ مبارک اور بہتر ہی ہے اور کسی ساعت اور لمحہ میں نحوست اور شر کا تصوّر رکھنا اسلام کے خلاف ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی کی وساطت سے اس حقیقت کا انکشاف فرمایا کہ "زمانہ کی ساعت کو ناپسندیدہ اور بُرا کہنا ممنوع ہے کہ زمانہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی شان کا نام ہے، البتہ برکت و سعادت اور فضیلت و برتری کے اعتبار سے کسی مہینہ کو کسی مہینہ پر، بعض دنوں کو دوسرے دنوں پر یا بعض ایام کو دوسرے ایام پر اور بعض راتوں کو دوسری راتوں پر حتّیٰ کہ بعض ساعتوں کو دوسری ساعتوں پر فوقیت اور برتری حاصل ہے اور اس قسم کی فوقیت و فضیلت کی خبر قرآن و حدیث کے ذریعہ دی گئی ہے۔ جن کی فضیلت و برتری اور خواص قرآن شریف میں بیان کیے گئے اور ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی۔ اس میں ایک شب معراج، دوسری شب برات اور تیسری شب قدر ہے اور عیدین کی راتیں۔ قرآن کریم نے شب برات کو لیلۃ المبارکہ کہا ہے جس کو حدیث میں لیلۃ البرات فرمایا گیا ہے، اور ہماری اصطلاح میں یہ مبارک رات شب برارت کے نام سے مشہور ہے، برارت کے معنی عربی زبان میں رہا ہونے اور نجات پانے کے آتے ہیں، اور یہ رات ایسی ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی تعداد میں انسانوں کے گناہ اور ان کی خطائیں معاف کر کے عذاب جہنم سے بری قرار دیا جاتا ہے اس لیے

اس رات کا نام ہی لیلۃ البرات اور شب برات قرار پا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس رات میں انسانی زندگی اور اس کی ضروریات سے متعلق ایک سال کے مہمات امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ مبارک رات شعبان کی پندرھویں رات ہے جو چودہ تاریخ کی شام سے شروع ہوتی ہے اور صبحِ صادق تک رہتی ہے۔

جہاں تک شب برات کا تعلق ہے عید، بقرعید کی طرح یہ کوئی تہوار نہیں ہے اس کی شرعی حیثیت صرف اس قدر ہے کہ شب برات ایک مقدس رات ہے، اس رات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزمرّہ سے زیادہ عبادت فرماتے تھے، مُردوں کی دعائے مغفرت کے لیے قبرستان تشریف لے جاتے تھے اور دوسرے دن روزہ رکھتے تھے، یہی شب برات منانے کا اصل طریقہ ہے کہ اس رات زیادہ سے زیادہ عبادت کر کے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہیں اور قبرستان جا کر سنت طریقہ کے مطابق اپنے آباء و اجداد، اعزاء اقرباء اور عامۃ المسلمین و مسلمات کے لیے دعائے مغفرت کریں اور اگلے دن روزہ رکھیں۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

حضرت جبرائیلؑ کی آمد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شعبان کی درمیانی رات میں جبرائیلؑ میرے پاس تشریف لائے اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھاؤ، میں نے سر اٹھایا (آسمان کی طرف دیکھا) جنت کے سب دروازوں کو کھلا ہوا پایا، پہلے دروازہ پر ایک فرشتہ کھڑا پکار رہا تھا کہ جو شخص اس رات میں رکوع کرتا ہے (نماز پڑھتا ہے) اُسے خوش خبری ہو، دوسرے دروازہ پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا کہ جو شخص اس رات میں سجدہ کرتا ہے اُسے خوشخبری ہو۔ تیسرے دروازے پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا جس نے اس رات میں دعاء کی اُسے خوش خبری ہو۔ چوتھے دروازے پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا کہ جس نے اس رات میں ذکر کیا اُسے خوش خبری ہو۔ پانچویں دروازے پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا کہ جس نے اس رات میں خدا کے خوف سے زاری کی (یعنی رویا)، اُسے خوش خبری ہو

چھٹے دروازے پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا کہ اس رات میں تمام مسلمانوں کو خوشخبری ہو۔ ساتویں دروازے پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا کہ اگر کسی کو کوئی سوال کرنا ہے تو کرے، اس کا سوال پورا کیا جائے گا۔ آٹھویں دروازے پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا کہ کوئی ہے جو بخشش کی درخواست کرے، اس کی درخواست قبول کی جائے گی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جبرائیلؑ سے پوچھا، یہ دروازے کب تک کھلے رہیں گے؟ انہوں نے جواب دیا پہلی رات سے صبح ہونے تک کھلے رہیں گے۔ پھر فرمایا اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ اس رات (شعبان کی پندرہویں) میں دوزخ کی آگ سے اتنے بندوں کو نجات دیتا ہے، جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے بال ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۶۲)

(عرب میں ہر قبیلہ میں بہت سی بکریاں ہوتی تھیں لیکن بنی کلب میں سب سے زیادہ بکریاں تھیں۔ ان تمام بکریوں کے جسم پر جتنی تعداد میں بال تھے، اُن سے کہیں زیادہ تعداد میں اللہ تعالیٰ لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔ مطلب تعداد کی زیادتی بیان کرنا ہے کہ ایک بکری کے جسم پر کتنے بے شمار بال ہوتے ہیں اور پھر ان کثیر تعداد بکریوں کے جسم پر کتنے بے حساب بال ہوں گے اُن سے بھی بڑھ کر اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو معاف فرماتے ہیں۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

شب برات مبارک کیوں؟

جو رات آنے والی ہے یعنی پندرہویں شب شعبان، اس کے خاص فضائل آئے ہیں اس لحاظ سے اُس کو مبارک کہنا درست ہے، گو احادیث میں مبارک کا لفظ نہیں آیا اگرچہ قرآن میں لفظ "مبارکہ" آیا ہے۔ مگر یہ تفسیر خود محتمل ہے مگر یہ احتمال اس لقب میں مضر نہیں کیونکہ برکت کی حقیقت ہے کثرت نفع، اگر کسی چیز کا کثیر النفع ہونا ثابت ہو جائے تو اس کو مبارک کہنا صحیح ہوگا، پس احادیث میں جو فضائل اس رات کے آئے ہیں جب اُن سے کثیر النفع ہونا معلوم ہوتا ہے تو اس

کو مبارک کہنا صحیح ہوگا۔ گو مبارک کا لفظ نہ آیا ہو۔لیکن قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۝ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ۝ (الدخان پارہ ۲۵)۔

ترجمہ:۔ ہم نے اس (قرآن) کو ایک برکت والی رات میں اُتارا ہے بیشک ہم ڈرانے والے ہیں، اسی رات کو ہر امرِ محکم کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

یعنی یہ بھی ایک برکت ہے کہ اس شب میں تمام اُمور (کاموں) کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ تمام امور میں سب چیزیں آگئیں صرف نماز و روزہ ہی نہیں بلکہ دنیوی امور بھی اس میں داخل ہیں۔ مثلاً اس کھیت میں اتنا اناج پیدا ہوگا، جنگ ہوگی، فتح ہوگی یا شکست ہوگی، اتنا پانی برسے گا (موت وحیات، شادی و بیاہ وغیرہ) غرض سب امور کا فیصلہ و انتظام ہوتا ہے، یہ سب انتظام برکت میں داخل ہو گیا۔ پس ایک قسم تو برکت کی یہ ہے۔ دوسری قسم برکت کی دینی ہے جو اُحادیث میں مذکور ہے کہ جب شعبان کی پندرھویں شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اول شب سے آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔ یہ خصوصیت اس رات میں بڑھی ہوئی ہے۔ (کیونکہ ہر روز نصف شب کے بعد خدا تعالیٰ آسمانِ دنیا پر تجلی فرما کر بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں) یعنی اَور راتوں میں نصف شب کے بعد نزولِ الٰہی ہوتا ہے اور اس شب میں شروع ہی سے نزول فرماتے ہیں، یہ بھی وجہ برکت میں سے ایک ہے۔ اس کی قدر وہی کرے گا جس میں محبت کا مادہ ہوگا کیونکہ اس کو ایک ایک لمحہ غنیمت معلوم ہوگا، وہ تو محبوب کی طرف سے پانچ منٹ بڑھا دینے کو بھی بہت غنیمت سمجھے گا اور یہاں (شب براءت وشب قدر میں) پوری رات ملتی ہے تو یہاں اضافہ اصل سے بھی زیادہ ہو گیا ہے، مجموعہ دونے سے بڑھ گیا۔ (التبلیغ ص۲۶ ج۸۔ از مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

شب برات میں انتظام خداوندی

حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول "اور اس رات میں تمام مضبوط کام جدا کیے جاتے ہیں"۔ کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ اس آیت میں جس رات کا ذکر ہے وہ شعبان کی درمیانی رات ہے۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ سال کے کاموں کی تدبیر کرتا ہے، مرنے والے لوگ زندہ لوگوں سے الگ کر دیئے جاتے ہیں (جن لوگوں کو اس سال مرنا ہوتا ہے، ان کے نام الگ کر دیئے جاتے ہیں، گویا ان کی فہرست اس رات میں تیار کر لی جاتی ہے)۔ جو لوگ حج بیت اللہ شریف کرنے والے ہوتے ہیں ان کے نام بھی الگ کر دیئے جاتے ہیں اس میں ذرا کمی و بیشی نہیں ہوتی۔

حکیم ابن کیسان رح کا کہنا ہے کہ شعبان کی درمیانی رات میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر نگاہ کرتا ہے اور اس رات میں وہ جسے پاک کرتا ہے وہ اگلے سال کی وہی رات آنے تک اسی طرح پاک رہتا ہے۔

عطا بن یسار رح سے روایت ہے کہ شعبان کی درمیانی رات میں لوگوں کے سال بھر کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوتے ہیں۔ اور ایک شخص سفر کے لیے نکلتا ہے، یا ایک شخص نکاح کرتا ہے، حالانکہ وہ زندوں کی جماعت سے نکال کر مُردوں کی جماعت میں لکھ دیا جاتا ہے (یعنی آدمی کا ارادہ و پلاننگ کیا کیا ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی موت لکھی ہوتی ہے)۔ (غنیۃ الطالبین ص۳۶۱)۔

فرشتوں کی عیدیں

جس طرح زمین پر مسلمانوں کی دو عیدیں ہیں، اسی طرح آسمان پر فرشتوں کی بھی دو عیدیں ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کی عیدیں عید الفطر (یکم شوال)، اور عید الاضحیٰ (دس ذی الحجہ) کے دن ہوتی ہیں اور فرشتوں کی عیدیں شب برات اور شب قدر میں ہوتی ہیں۔

فرشتوں کی عیدیں رات میں اس لیے ہوتی ہیں کہ وہ سوتے نہیں، مسلمان چونکہ سوتے ہیں اس لیے ان کی عیدیں دن میں ہوتی ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص۳۶۳)۔

موت وحیات کے فیصلہ کی رات

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ھَلْ تَدْرِیْنَ مَا فِیْ ھٰذِہِ اللَّیْلَةِ یَعْنِیْ لَیْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَا فِیْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ فِیْھَا اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ مَوْلُوْدٍ بَنِیْ اٰدَمَ فِیْ ھٰذِہِ السَّنَةِ وَفِیْھَا اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ ھَالِكٍ مِنْ بَنِیْ آدَمَ فِیْ ھٰذِہِ السَّنَةِ وَفِیْھَا تُرْفَعُ اَعْمَالُھُمْ وَفِیْھَا تُنَزَّلُ اَرْزَاقُھُمْ، فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا مِنْ اَحَدٍ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَقَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰہِ تَعَالٰی ثَلَاثًا قُلْتُ وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَوَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی ھَامَتِہٖ فَقَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ مِنْ بِرَحْمَتِہٖ یَقُوْلُھَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیْ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ۔

ترجمہ:۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ سرتاجِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا کہ "کیا تم جانتی ہو کہ اس شب میں یعنی شعبان کی پندرہویں شب میں کیا ہوتا ہے"؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! (مجھے تو معلوم نہیں، آپ ہی بتائیے کہ) کیا ہوتا ہے"؟۔ آپ نے فرمایا بنی آدم میں کا ہر وہ شخص جو اس سال پیدا ہونے والا ہوتا ہے لکھدیا جاتا ہے اور بنی آدم میں کا ہر وہ شخص جو اس سال مرنے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھا جاتا ہے۔ اس رات میں بندوں کے اعمال (اوپر) اٹھالیے جاتے ہیں اور اسی رات میں بندوں کے رزق اُترتے ہیں"۔

حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا"؟ آپ نے فرمایا "ہاں، کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا"۔ آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے میں نے عرض کیا "اور نہ آپ یارسول اللہ! (یعنی آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت

میں داخل نہیں ہوں گے؟) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک (ہاتھ) سرِ مبارک پر رکھا اور فرمایا "اور نہ میں! (یعنی میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوں گا)۔ یہ الفاظ بھی آپؐ نے تین بار فرمائے۔

تشریح:۔ دنیا میں جتنے بھی انسان پیدا ہوں گے یا وفات پائیں گے ان سب کی پیدائش اور موت کے بارے میں بہت پہلے ہی عمومی طور پر لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے، مگر ہر شعبان کی پندرہویں شب میں پھر دوبارہ اُن لوگوں کی پیدائش اور موت کا وقت لکھ دیا جاتا ہے جو اس سال پیدا ہونے والے ہیں یا مرنے والے ہوتے ہیں۔

"اعمال اٹھائے جاتے ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں بندہ سے جو بھی نیک و صالح اعمال سرزد ہونے والے ہوں گے وہ اسی رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں جو ہر روز صادر ہونے کے بعد بارگاہِ رب العزت میں اٹھائے جائیں گے۔

"رزق اترنے" سے مراد رزق کا لکھا جانا ہے یعنی اس سال جس بندہ کے حصہ میں جتنا رزق آئے گا اس کی تفصیل اس شب میں لکھی جاتی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں منقول ہے کہ "اس شب میں موت اور رزق لکھے جاتے ہیں اور اس سال میں حج کرنے والے کا نام (بھی) اس شب (پندرھویں شعبان کی) میں لکھا جاتا ہے۔"

جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ وہ اعمالِ صالحہ جو سال بھر میں بندہ سے سرزد ہونے والے ہوتے ہیں اور کرنے سے پہلے ہی لکھ دیئے جاتے ہیں تو وہ سمجھیں کہ جنت میں داخل ہونے کا دار و مدار محض تقدیر اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہے، دُخولِ جنت عمل پر موقوف نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا مِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الخ

اس کے جواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بے شک جنت میں داخل ہونا تو محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل پر موقوف ہے وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے جنّت میں داخل کرے اور جسے چاہے نہ داخل کرے۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی قرآن شریف کی اس آیت کے خلاف نہیں ہے اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّۃُ اُوْرِثْتُمُوْھَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ہ یعنی یہ جنت وہ ہے جو تمہیں اس چیز کے بدلہ میں دی گئی ہے جو تم کرتے تھے (یعنی دنیا میں جو اعمال کرتے تھے) پارہ ۸ رکوع ۱۲۔

کیونکہ نیک اعمال تو جنت میں داخل ہونے کا ظاہری سبب ہیں مگر جنت میں داخل ہونے کا حقیقی سبب تو اللہ جل شانہ کا فضل وکرم اور اس کی رحمت ہی ہے نہ کہ اعمالِ نیک۔ پھر یہ کہ نیک اعمال بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت ہیں، اگر کسی بندے کے ساتھ خدا کی توفیق شاملِ حال نہ ہو اور اس کے فضل وکرم اور اس کی رحمت کا سایہ اس پر نہ ہو تو وہ نیک اعمال کیسے کر سکتا ہے؟

نیک وصالح اعمال تو بندہ جب ہی کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی رحمت بندہ کی رہ نمائی کرتی رہے۔ لہٰذا اس طرح بھی یہی کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہونا تو محض پروردگار عالم کی رحمت پر موقوف ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جنت میں داخل ہونا تو محض اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب ہے اور جنت میں درجات کی بلندی اعمال کے تفاوت پر موقوف ہے یعنی بندہ جنت میں داخل تو اللہ کی رحمت کی وجہ سے ہوگا ہاں اعمال کی کارفرمائی اس درجہ کی ہوگی جس بندہ کے نیک اعمال جس درجہ کے ہوں گے جنت میں اُسے اس کے مطابق درجہ ملے گا۔ (مظاہر حق جدید صفحہ ۲۰ ج ۲)

سال بھر کے بجٹ کی منظوری کی شب

فَقَالَ فِیْھَا اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ مَوْلُوْدٍ بَنِیْ آدَمَ فِیْ ھٰذِہِ السَّنَۃِ وَفِیْھَا اَنْ یُّکْتَبَ کُلُّ ھَالِکٍ مِنْ بَنِیْ آدَمَ فِیْ ھٰذِہِ السَّنَۃِ وَفِیْھَا تُرْفَعُ اَعْمَالُھُمْ وَفِیْھَا تُنْزَلُ اَرْزَاقُھُمْ۔ (مشکوٰۃ شریف مظاہر حق صفحہ ۱۹۹ ج ۲)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بنی آدمؑ میں کا ہر وہ شخص جو اس سال میں پیدا ہونے والا ہوتا ہے اس رات میں لکھ دیا جاتا ہے، بنی آدمؑ کا ہر وہ شخص

جو اس سال مرنے والا ہوتا ہے اسی رات میں لکھ دیا جاتا ہے، اس رات میں بندوں کے اعمال (اوپر) اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات میں بندوں کے رزق اترتے ہیں۔

تشریح:- دنیا بھر کی حکومتوں میں یہ دستور ہے کہ وہ اپنے وسائل اور پالیسی کے مطابق آمدنی و اخراجات کا بجٹ ایک سال پہلے ہی تیار کر لیتی ہیں۔ ان کی پارلیمانی اور وزراء کے اجلاسوں کی میٹنگ میں اس بجٹ پر مہینوں بحث ہوتی ہے، یہ بجٹ اپنی حکومت کے اغراض و مقاصد کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آنے والے سال میں ترقی کی کن منازل کو طے کرنا ہے۔

بعینہٖ شعبان کی چودھویں اور پندرھویں تاریخوں کے درمیان ہر سال خالقِ کائنات اپنی وسیع تر مملکت دنیا کے بجٹ کا اعلان کرتا ہے اور یہ بجٹ زندگی کے ہر زاویئے پر محیط ہوتا ہے۔ اس رات میں یہ بھی فیصلہ ہوتا ہے کہ آنے والے سال میں کتنے لوگوں کو دنیا میں بھیجنا ہے اور کتنے لوگوں کو ان کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کرنے کے بعد واپس بلایا جائے گا۔ کتنا خرچ کرنے کی اجازت ملے گی اور کس سے کتنا کچھ واپس لے لیا جائے گا۔

شعبان کی پندرھویں شب میں عالمِ بالا میں حکیم و خبیر و دانا مدبّر کے حکم کے مطابق دنیا والوں کے لیے جو روزِ ازل میں فیصلے کیے گئے تھے ان میں سے ایک سال کا جامع بجٹ کارکنانِ قضاء و قدر یعنی خاص مقرّب فرشتے حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہما السلام کے سپرد کر دیا جاتا ہے، اس دنیا میں سب کچھ وہی ہوتا ہے جو فرشتوں کو پیش کیا جاتا ہے۔

درخواست کی پیشی کا وقت

آپ نے دیکھا یا سُنا ہو گا کہ جن دنوں بجٹ تیار ہو رہا ہوتا ہے ملک کے متعلقہ طبقے اپنے اپنے مطالبات و درخواستیں حکومت تک پہونچاتے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے حاضر ہو کر استدعا کرتے ہیں۔ اسی طرح جب خالقِ کائنات اپنا بجٹ

تیار کرتے ہیں تو اس کے بندے اس کے سامنے اپنی ضروریات اور اپنی آرزوں کو پیش کرتے ہیں اور جس طرح حکومتیں اپنے عوام کے مطالبات کو ملحوظ رکھ کر بجٹ میں ترمیم کرلیتی ہیں اسی طرح رب العالمین اپنے بندوں کی دعاؤں کو سن کر اپنے بجٹ میں ترمیم فرمالیتے ہیں۔ اسی لیے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَیْلَھَا وَصُوْمُوْا یَوْمَھَا فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْزِلُ فِیْھَا بِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ اَلَا مَنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَہٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَہٗ اَلَا مُبْتَلًی فَاُعَافِیَہٗ اَلَا کَذَا اَلَا کَذَا حَتّٰی یَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (الترغیب صفحہ ۳۶ ج ۲ و تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۰۲ ج ۱)۔

ترجمہ:۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو اس رات میں عبادت کرو (اور اس کے بعد) والے دن میں روزہ رکھو کیونکہ اس رات کو اللہ تعالےٰ غروب آفتاب کے وقت سے ہی آسمانِ دنیا پر جلوہ خاص فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔ کیا کوئی مبتلائے مصیبت ہے کہ اسے عافیت دوں۔ کیا کوئی ایسا ویسا ہے اور یہ آوازیں صبح تک آتی رہتی ہیں۔

درخواست کا مضمون

دعاؤں کے علاوہ شعبان کی پندرھویں رات کو عبادت اور اگلے دن روزے رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ہم اپنی حکومتوں کے سامنے جب کوئی درخواست پیش کرتے ہیں تو الفاظ کے انتخاب اور جملوں کی ساخت اور مضمون میں عجز وانکساری کا اظہار کرتے ہیں تو پھر جب ہم اپنی درخواست بجٹ میں ترمیم کرانے کی، کائنات کی سب سے بڑی حکومت کے سربراہ اور مالکِ حقیقی اللہ رب العزت کے دربار میں پیش کر رہے ہیں تو

لازم آتا ہے کہ عجز وانکساری و نیازمندی کے ساتھ اس کے سامنے جھک جائیں، گڑگڑا کر اور اپنی کمتری اور اس کی برتری کے اظہار واعتراف کے ساتھ درخواست گزار ہوں۔ ہمارا یہ گڑگڑانا ہماری یہ عاجزی رات بھر کی عبادت میں ظاہر ہو سکتی ہے۔ اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ بندہ جب اپنے خدا کے حضور پورے عجز وانکساری کے ساتھ دست بہ دعا ہوتا ہے تو رحمتِ ایزدی جوش میں آجاتی ہے اور دعا مستجاب ہو جاتی ہے۔

اب بھی وقت ہے جو کچھ ہو چکا اس کی تلافی کر لو اور جو وقت آنے والا ہے اس میں رحمتوں اور سعادتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لو، شعبان المعظم کی جتنی مسعود، اقبال مند راتیں تم اپنی غفلت سے چھوڑ چکے ہو ان بابرکت راتوں میں آگ کا کھیل یا دیگر رسومات کر چکے ہو ان کی وجہ سے مایوس نہ ہو۔ آؤ خدا کی بارگاہ میں آؤ۔ اس رات ہی میں خدائے رحیم کے دربار میں آکر کوئی مغموم نہیں رہتا، احساسِ ندامت ساتھ لاؤ۔ شکستہ دل سے ندامت کے آنسو بکھیر دو۔ تم جلد ہی دیکھ لوگے کہ خدا تم سے خوش ہو گیا ہے اس کی رحمت آگے بڑھ کر تمہیں اپنے دامن میں چھپا لے گی۔ اب صرف ضرورت ہے خدا کی طرف دل لگانے کی، تم اگر ایک قدم آگے خدا کے راستہ میں چلو گے تو رحمتِ خداوندی دس قدم آگے بڑھے گی۔

لہٰذا اس مبارک رات میں جہاں ہم اپنے لیے اللہ سے دعا مانگتے ہیں وہیں تمام اعزا و اقارب، دوست احباب، اولیاء اللہ اور عامۃ المسلمین کے لیے بھی مغفرت کی دعا کریں اور نئی ارواح کے لیے یعنی اولاد کے لیے بھی دعا کریں، اور اگر ممکن ہو تو قبرستان جا کر زیارتِ قبور و ایصالِ ثواب کی سنّت ادا کریں اور پندرہویں تاریخ کا روزہ رکھیں۔ اور اگر یہ کچھ ممکن نہ ہو سکے تو کم از کم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو ان گناہوں اور خرافات سے بچانے کی تو کوشش کی جائے جو اس مقدس رات میں ثواب سمجھ کر کیے جاتے ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ (التحریم پارہ ۲۸)۔ اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے

گھر والوں کو اُس آگ سے۔ (ترجمہ شیخ الہند ص۴۳)۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)

شب قدر کی پوشیدگی کی حکمت

شب برات کو ظاہر کرنے اور شب قدر کو پوشیدہ رکھنے میں اللہ تعالےٰ کی یہ حکمت ہے کہ شب قدر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نازل ہونے اور بخشش عطا ہونے اور دوزخ سے نجات حاصل کرنے کی رات ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے چھپا کر رکھا ہے تاکہ لوگ اس رات پر ہی تکیہ و بھروسہ کر بیٹھیں

شب برات ظاہر کرنے کی حکمت

شب برات (شعبان کی پندرہویں شب) کو اس لیے ظاہر فرمایا کہ یہ رات قضا اور حکم، قہر اور رضا، قبولیت اور رد، قرب اور بُعد، سعادت اور شقاوت، کرامت اور پرہیزگاری کی رات ہے، اس رات میں کوئی نیک بخت بنا دیا جاتا ہے اور کوئی مردود قرار پاتا ہے، ایک کو نیک کاموں کی جزاء دے کر کامراں کر دیا جاتا ہے اور دوسرے کو بُرے کاموں کے بدلہ میں خوار کر دیا جاتا ہے، ایک کو بزرگی دی جاتی ہے، دوسرے کو اس سے محروم کر دیا جاتا ہے، ایک کو اجر دیا جاتا ہے، دوسرے کو دُھتکارا جاتا ہے۔ پس بہت سے لوگ تو بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے ہوتے ہیں اور اللہ کے یہاں ان کے کفن تیار ہو رہے ہوتے ہیں، بعض کی قبریں کھودی جا رہی ہوتی ہیں، مگر وہ دنیا میں خوشی میں لگے ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ غرور اور ہنسی و کھیل میں مصروف ہوتے ہیں، حالاں کہ وہ عنقریب ہلاک ہونے والے ہوتے ہیں۔

بہت سے شاندار محل اپنی تکمیل کو پہونچتے ہیں، حالاں کہ ان کے مالک جلد ہی فنا ہو کر خاک میں مل جانے والے ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ ثواب کے اُمیدوار ہوتے ہیں مگر ان کے لیے عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ خوش خبری کی توقع لگائے ہوتے ہیں حالانکہ انھیں نقصان پہونچتا ہے۔ بہت سے لوگ بہشت کے امیدوار ہوتے ہیں، حالانکہ ان کو دوزخ نصیب ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ وصل

(ملاقات) کی اُمید کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ ان کے لیے جُدائی مقرر ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ بادشاہت حاصل کرنے پر یقین رکھتے ہیں حالانکہ ان کے نصیب میں ہلاکت لکھی ہوتی ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص۳۶۳)۔

شب بیداری کی چودہ راتیں

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سال کی ان چودہ راتوں میں جاگ کر عبادت کرنی چاہیئے:۔

(۱) محرم کی پہلی رات (۲) عاشورہ کی رات (۳) رجب کی پہلی رات (۴) رجب کی درمیانی رات (۵) رجب کی ستائیسویں رات (۶) شعبان کی درمیانی رات (۷) عرفہ کی رات (۸) عید الفطر کی رات (۹) عید الضحٰی کی رات (۱۰) ماہِ رمضان کی پہلی رات (۱۱ تا ۱۴) رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتیں یعنی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں، اُنتیسویں رات۔

اسی طرح اس بات پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ ان سترہ دنوں میں عبادت کرنا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے:۔

عرفہ کا دن، عاشورہ (دس محرم) کا دن، شعبان کا درمیانی دن، جمعہ کا دن، دونوں عیدوں کے دن، ذی الحجہ کے دس معلومہ دن، تشریق کے دن (ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ۔ ان سب دنوں میں جمعہ اور رمضان کے سارے مہینہ کے بارے میں زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

نوٹ:۔ رجب کی پہلی رات میں جاگے (عبادت کرے) اور دن میں روزہ رکھے، دونوں عیدوں کی راتوں کو قیام کرے یعنی جاگ کر عبادت کرے، مگر دنوں میں روزہ نہ رکھے۔ شعبان کی درمیانی رات میں جاگے اور دن میں روزہ رکھے اور عاشورہ کی رات میں جاگے اور دن میں (دس محرم کو) روزہ رکھے۔ (غنیۃ الطالبین ص۳۴۱)

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رجب کا مہینہ برائیاں ترک کرنے کے لیے اور شعبان کا مہینہ عبادت کرنے کے لیے ہے، نیز رمضان المبارک کی کرامتوں کا

منظر دیکھنے کے لیے ہے۔ پس جو شخص آفات (برائیوں) کو نہیں چھوڑتا اور بندگی و اِطاعت اختیار نہیں کرتا، کرامتوں کا منتظر نہیں رہتا، وہ بے ہودہ کام کرنے والوں میں سے ہے۔

نیز آپؐ ہی کا ارشاد ہے کہ رجب کا مہینہ کھیتی بونے کے لیے ہے۔ شعبان میں اس کھیت کو پانی دیا جاتا ہے۔ رمضان میں اس کھیت کو کاٹ لیا جاتا ہے اور چونکہ کاٹنے والا وہی چیز کاٹتا ہے جو اس نے بوئی ہو، اس لیے آدمی جو کچھ کرتا ہے اُسی کا اجر دیا جاتا ہے۔ جو شخص اپنی کھیتی کو ضائع کرتا ہے وہ کھیت کاٹنے کے وقت پشیمانی اٹھاتا ہے، اُس کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۳۹)

ہر رات لیلۃ القدر ہے

بلکہ اگر لیلۃ القدر کو لغوی معنیٰ کے لحاظ سے لیا جائے تو ہر رات لیلۃ القدر اور قابلِ قدر ہے، کیونکہ ہر روز نعمت ہے اور ہر رات دولت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر روز نصفِ شب کے بعد اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر تجلّی فرما کر بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دنیا ہمارا گھر ہے اور زمین فرش ہے اور گویا آسمانِ اوّل دنیا کی چھت ہے اور گھر کی چھت گھر کا جز ہی کہلاتی ہے تو گویا حق سبحانہ تعالیٰ ہمارے گھر تشریف لاتے ہیں اور ہم کو یہ شرف نصیب ہوتا ہے کہ شاہنشاہ ہر روز ہمارے گھر (آسمانِ دنیا پر) تشریف لاتے ہیں اور متوجہ ہوتے ہیں اور وعدہ فرماتے ہیں۔

ایک اور لطف کرم دیکھئے کہ اگر ہم کسی دوست کے دروازے پر جائیں خصوصاً مریدین کے دروازہ پر اور وہ گھر والے ہم سے بات نہ کریں تو یقیناً اُن سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور اگر بیزار بھی نہ ہوں تو اس قدر تو ضرور شکایۃً کہیں گے کہ ہم سے بولے کیوں نہیں۔ اور گھر والے سوتے ہوں گے تو کہیں گے کہ ایسا بھی کیا سونا کہ ہمارے آنے کا کچھ بھی خیال نہ کیا (غرضکہ جتنا تعلق ہوگا اتنا ہی شکایت نامہ زیادہ) اور اگر خط کے ذریعہ پہلے سے اطلاع کر دی گئی ہو کہ آدھی رات میں حاضر ہوں گے تو اس صورت میں اُن مریدوں کو سونے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

اور اب حق سبحانہ تعالیٰ کا معاملہ دیکھیے کہ باوجود اس کے کہ ان کے حقوق (اللہ کے) واقعی ہیں، مگر اپنی تشریف آوری کی خبر دینے کے بعد بھی تشریف لاکر ہم کو سوتا ہوا دیکھ کر بھی ناراض نہیں ہوتے، اور یہ فرماتے ہیں کہ اس بندہ نے ایک مستحب ہی تو چھوڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بے مروتی کا الزام نہیں دیتے کیا ٹھکانا ہے اس رحم کا۔

(خلاصہ مطلب مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ کی تقریر کا یہ ہے کہ اگر ہم کسی دوست یا مرید کے مکان پر جائیں اور وہ نہ بولے تو ہم کتنے برہم وغصہ ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے گھر (آسمانِ دنیا پر) تشریف لاتے ہیں اور ہم اس وقت پڑے سوتے رہتے ہیں مگر وہ ہماری اس حالت کو دیکھ کر ناراض نہیں ہوتے)

اس عنایت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ہم سب کچھ کرتے، اس لیے کہ آقا کبھی کچھ نہ کہتا ہو تو اس کے سامنے پگھل جانا چاہیے۔ گویا ہر شب شبِ قدر اس معنی کر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر روز ہماری طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں۔ (التبلیغ ص۳ جلد ۸ از حضرت تھانوی رح)۔

شب برات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

بعض علماء کے نزدیک اس شب کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں قبرستان جانا اور وہاں ارواح مسلمین کے لیے دعاء مغفرت کرنا اور کچھ کلام اللہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا مسنون ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ (پندرہویں شعبان کو) میری باری تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے مکان میں تشریف لائے، ور کپڑے اُتارے اور ابھی پوری طرح اُتار بھی نہ تھے کہ پھر پہن لیے۔ مجھ پر وہی سخت رشک سوار ہوا (جو عورتوں کو ہوا کرتا ہے) میں نے خیال کیا کہ آپؐ ضرور میری کسی سوتن (دوسری بیوی) کے پاس جائیں گے، میں آپؐ کے پیچھے پیچھے نکل کھڑی ہوئی۔ تلاش کرتے کرتے آپؐ بقیع غرقد (مقبرہ مسلمین)

میں ملے۔ آپؐ مؤمنین اور مؤمنات اور شہداء کے لیے استغفار فرما رہے تھے۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ تو کس کام میں ہیں اور میں کس خیال میں ہوں۔ پھر وہاں سے (اُلٹے پاؤں) واپس ہوکر اپنے حجرہ میں چلی آئی، اور میرا سانس پھول رہا تھا۔ اتنے میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا اے عائشہؓ! تم اتنا ہانپ کیوں رہی ہو؟ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، میں نے آپؐ کو موجود نہ پایا۔ مجھے رشک نے گھیر لیا اور مجھے خیال ہوا کہ آپ اس وقت میری کسی سوتن کے یہاں جائیں گے، یہاں تک کہ میں نے آپؐ کو بقیعِ غرقد میں پایا جہاں آپ استغفار وغیرہ فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ کیا تم کو یہ خوف تھا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ تم پر ظلم کریں گے۔ میرے پاس تو اس وقت جبرئیل علیہ السلام آئے اور بتایا کہ آج کی رات شعبان کی پندرھویں رات ہے، اس رات کو حق تعالیٰ بنو کلب قبیلہ کی بکریوں کے بالوں کے برابر (اس قبیلہ میں سب سے زیادہ بکریاں تھیں) مخلوق کو جہنم سے آزاد کریں گے، البتہ مشرک اور کینہ ور اور قطع رحمی کرنے والے اور ٹخنہ سے نیچی لنگی (وغیرہ) پہننے والے، نیز والدین کی نافرمانی کرنے والے اور ہمیشہ شراب نوشی کرنے والے پر حق تعالیٰ نظرِ عنایت نہ فرمائیں گے۔

اس کے بعد آپؐ نے کپڑے اُتارے اور فرمایا اے عائشہ! کیا تم آج رات عبادت کرنے کی اجازت دیتی ہو (کیونکہ اجازت طلب کرنے کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ رات بھر عبادت کرنے کا معمول نہ تھا، بلکہ کچھ وقت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کی دل جوئی اور دل جمعی وغیرہ کے لیے بھی مخصوص تھا جو اس رات نہ ہو سکا۔) میں نے عرض کیا ہاں ہاں میرے والدین آپؐ پر قربان، چناں چہ آپؐ کھڑے ہو گئے (اور نماز شروع فرما دی) پھر ایک لمبا سجدہ کیا حتّٰی کہ مجھے خیال ہوا کہ کہیں (خدانخواستہ) آپؐ کی روح تو قبض نہیں ہو گئی، میں کھڑی ہو کر ٹٹولنے لگی اور اپنا ہاتھ آپؐ کے تلوؤں پر رکھا، آپؐ میں یک گونہ حرکت ہوئی جس سے میں مسرور و مطمئن ہو گئی (زندہ ہونے کا یقین ہوا)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ پڑھ رہے تھے:۔

اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

(ترجمہ) میں تیری سزا سے تیرے عفو کی پناہ مانگتا ہوں اور تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی اور تجھ سے (یعنی تیرے عذاب وعقاب وقہر سے) تیری ہی پناہ مانگتا ہوں، تیری ذات بزرگ وبرتر ہے، میں تیرے لائق تیری تعریف نہیں کرسکتا، تو ویسا ہی ہے جیسا تو نے خود اپنے نفس کی تعریف فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ان کلماتِ دعائیہ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ انھیں سیکھ لو اور پھر دوسروں کو بھی سکھا دو، مجھے جبرئیل علیہ السلام نے یہ کلمات سکھائے ہیں اور فرمایا کہ میں انھیں سجدہ میں بار بار پڑھا کروں۔ (رواہ البیہقی)۔

اس تفصیل سے آپ حضرات کو اس مبارک رات کا دستور العمل معلوم ہوا، نیز آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ ہمیں اس رات میں کیا کرنا چاہیئے، کس طرح عبادت کرنی چاہیئے اور کس طرح مقبرہ میں جانا اور وہاں جاکر کیا کیا کرنا، اُس کے بعد گھر آکر بھی عبادت میں مشغول رہنا، دعا کرنا اور اس کا طریقہ، اُس کے مسنون الفاظ آپ کو سب کچھ معلوم ہوگئے ہوں گے۔ (فضائل الایام والشہور صـ ۱۱۲)۔

اُمّ المؤمنین عائشہؓ کی فراست

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ "دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) خدا اور رخدا کے رسول نے میرے ساتھ ظلم کا معاملہ نہیں کیا ہے" بلکہ مجھے تو خیال ہوگیا تھا کہ یا تو آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یا اپنے اجتہاد سے میرے پاس سے اٹھ کر کسی دوسری کے یہاں چلے گئے ہوں۔

علامہ ابنِ حجر رحؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس جواب کے بارہ میں فرماتے

ہیں کہ "خدانخواستہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے جواب میں نَعَمْ (جی ہاں) فرما دیتیں تو معاملہ اتنا نازک تھا کہ حضرت عائشہ رضؓ کا یہ جواب کفر شمار ہوتا مگر حضرت عائشہ رضؓ اپنی فراست اور ذہانت سے صورتِ حال سمجھ گئیں اس لیے جواب انہوں نے اس پیرایہ سے دیا کہ اپنی پریشانی و حیرانی کا عذر بیان کیا، پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاس سے اُٹھ آنے کا عذر بیان کیا کہ "شعبان کی پندرہویں شب میں اللہ جل شانہٗ آسمانِ دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دنیا والوں پر اس کی رحمتِ کاملہ کا فیضان اس بے کراں طور پر ہوتا ہے کہ قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے ریوڑ کے جتنے بال ہیں ان سے بھی زیادہ لوگوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، لہٰذا یہ وقت چوں کہ برکاتِ ربانی اور تجلیاتِ رحمانی کے اترنے کا تھا اس لیے میں نے چاہا کہ ایسے بابرکت اور مقدس وقت میں اپنی اُمّت کے لوگوں کی بخشش کی دعا کروں چناں چہ میں جنت البقیع (قبرستان) میں پہونچ کر اپنے پروردگار کی مناجات کرنے اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہو گیا۔ (مظاہرِ حق جدید ص۱۹۵ ج۲)۔

خدائی نظام کی توہین

مگر خدا سمجھے ہماری بداعمالی اور کورباطنی کو جن دنوں میں ضرورت عبادت کی تھی ان ہی دنوں میں ہم نے بیش از بیش گناہ کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔ ہمارے دوستوں نے اسے تو خوب یاد کر لیا کہ شبِ برات میں جاگنا چاہیے، مگر اس بات کو بھول گئے کہ کیوں اور کس طرح جاگنا چاہیئے؟" وہ جاگتے ضرور ہیں مگر خدا کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کے لیے نہیں، اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کے لیے نہیں، خدا کی رحمتوں سے حصہ لینے کے لیے نہیں، اپنا نامۂ اعمال گناہوں سے دھونے کے لیے نہیں بلکہ خدا کا قہر و غضب **حاصل** کرنے کے لیے، اپنے گناہوں میں اضافہ کرنے کے لیے، خدا کی رحمتوں سے اعراض اور روگردانی کرنے کے لیے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرنے کے لیے اور رہی سہی نیکیوں کو بھی مٹانے کے لیے؟ اِلّا ماشاء اللہ۔

مسلمانو! خوب سمجھ لو! اور کان کھول کر سن لو! کہ خدا تعالیٰ جہاں رحیم و غفار

ہے وہیں جبار و قہار بھی ہے۔ یہ طرزِ عمل اس کی رحمتوں کے ساتھ مذاق کرنے کے مترادف ہے۔ اور جیسا افضل الاوقات میں اعمالِ صالحہ کا اجر بڑھتا ہے، اسی طرح برائیوں (اعمالِ سیئہ) کا گناہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

سوچو تو سہی اگر کوئی معمولی بادشاہ اپنی فوج کو حکم دے اور اعلان کردے کہ آج فلاں میدان میں تمام فوجی جمع ہو کر پریڈ کریں، اپنے کمال کے جوہر دکھائیں، شاہ کی جانب سے آج انعامات و اکرامات کی بارش کی جائے گی، فوجیوں نے سنا اور تیار ہو کر میدان میں پہونچ گئے، پریڈ کرنے کے لیے نہیں، سپاہیانہ کمالات، شجاعانہ جذبات، فوجیانہ جاں نثاری کا مظاہرہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ آتش بازی چھوڑنے کے لیے، تو کیا بادشاہ کو اس حرکت سے غصہ نہ آئے گا، کیا وہ اس فوج پر انعامات واکرامات کے بجائے لعنت و ملامت کی بارش نہ کرے گا؟ کرے گا، ضرور کریگا۔

اب غور فرمایئے کہ ہم نے جو طرزِ عمل شبِ برات میں اختیار کیا ہے اس پر اگر خدا کا قہر و غضب ہمیں ہر طرف سے نہ گھیرے تو اور کیا کرے، کیا ہماری طرف سے صحیح معنیٰ میں اس کی رحمتوں کا استہزاء اور مذاق نہیں اڑایا جا رہا ہے، پھر مسلمان اپنی نکبت، اپنی مصیبت اپنی آفت پر کیوں آنسو بہاتے ہیں۔ جیسا تم نے اب تک کیا ویسا ہی بھرا، تم نے خدا کو چھوڑ دیا، تم خدا کو بھول گئے اور خدا کی عبادت کے بجائے شیطان کی پرستش کو اپنا فخر سمجھنے لگے۔ خدا نے بھی تمہیں چھوڑ دیا۔ اپنے اعمال درست کرو، اپنی سرکشیوں سے باز آؤ۔ اپنی حماقتوں سے توبہ کرو، اور آئندہ اسی خدائے یکتا کے پرستار بن جاؤ جس کے تم آج سے چودہ سو سال پہلے پرستار تھے، تم خدا کے ہو جاؤ، خدا بھی تمہارا ہو جائے گا۔ اور خدا ہی نہیں بلکہ خدا کی تمام کائنات تمہاری ہو جائے گی۔ (فضائل الایام والشہور ص ۱۱۵)

رات کے کس حصہ میں جاگیں؟

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ رات کے کون سے حصہ میں جاگنا افضل ہے؟

اس کا فیصلہ قرآن شریف سے بھی ہوتا ہے اور حدیث شریف سے بھی، کیوں کہ

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر شب میں جاگنا ضروری ہے۔ چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَّ أَقْوَمُ قِيْلًا۔ (المزمل پارہ ۲۹)۔ (البتہ اٹھنا رات کو سخت روندتا ہے (مؤثر ہے نفس کے کچلنے میں) اور سیدھی نکلتی ہے بات۔

اور نَاشِئَةَ الَّيْلِ سونے کے بعد متحقق ہوتا ہے کیونکہ اس کے اختیار کرنے سے نفس پر مشقت کا زیادہ اثر ہوتا ہے تو وہی افضل ہوگا، اور آخر سورت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

یہ تو قرآن شریف سے معلوم ہوا۔ حدیث شریف سے بھی اس کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چناں چہ آخر شب کی فضیلت میں بکثرت احادیث آئی ہیں اور قواعد عقلیہ بھی اس پر شاہد ہیں کیونکہ وہ وقت سونے کا ہے اور سونے (نیند) کو چھوڑنا مشکل ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو اُٹھ کر التجا کرتا ہو تو میں اس سے بہت خوش ہوتا ہوں اس لیے کہ میری وجہ سے اپنی بیوی اور گرم بستر کو چھوڑ دیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آخر حصہ رات کا افضل ہے لیکن اگر کسی کو اس حصہ میں جاگنا دشوار ہو تو وہ اول ہی حصہ (رات میں کچھ کرلے، کیونکہ اور راتوں میں خدا تعالیٰ کا نزول آخر شب میں ہوتا ہے اور اس رات میں اول ہی شب سے نزولِ الٰہی ہو جاتا ہے، اس لیے جن لوگوں کو آخر رات میں عبادت کرنا دشوار ہو وہ اوّل ہی شب میں عبادت کر کے فضیلت حاصل کرلیں، جس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ عشار تک ہی عبادت میں مشغول رہیں۔ (التبلیغ ص۲۶ جلد ۸)۔

شیطانی دھوکہ

یہ نفس کا ایک کید (چال، دھوکہ) ہے کہ آدمی جہاں ثواب کا قصد کرتا ہے اس کو وہ حیلہ سے روکنا چاہتا ہے چنانچہ اس موقعہ پر (شب برات وشب قدر میں) وسوسہ ڈالتا ہے کہ آخر شب میں زیادہ فضیلت ملے گی اس لیے آخر میں ہی جاگنا چاہیے، اول شب میں جاگنے سے

کیا فائدہ؟ ۔ دیکھئے گا اول شب سے تو یوں محروم رہے (کہ دل نے بہانہ حیلہ کیا) اور جب آخر شب ہوئی تو اٹھا نہ گیا، دونوں طرف سے محرومی ہوئی، پوری کے پیچھے لگ کر اُدھوری بھی گئی۔

اور خفی کیدِ نفس کا (نفس کی ہلکی سی چال) بعض کے لیے اس صورت میں یہ بھی ہے کہ وہ یہ چاہتا ہو کہ ممتاز ہو کر رہے اور اس میں نفس کو مزا آتا ہے، اس لیے بعض آدمی یہ چاہتے ہیں کہ اخیر شب میں ہی جاگیں اور نیت یہ ہوتی ہے کہ اس امتیاز میں لذت ہو (دکھاوا ہو) یہ غرور رہے اور غرور و تکبر ایسی بُری چیز ہے کہ جس وقت کوئی شخص اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے اس وقت خدا تعالیٰ کی نظر میں ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ (التبلیغ ص۲۷ ج ۸)۔

مبارک رات میں گناہ کرنا

اس مبارک رات میں فضیلت ہے اور جس میں فضیلت ہوگی اس میں معصیت (گناہ) بہ نسبت دوسرے اوقات کے بہت بڑی ہوگی جیسے مکان کا حکم ہے اسی طرح زمان کا حکم ہے مثلاً ایک تو گناہ معمولی جگہ پر کرنا اور ایک مسجد میں گناہ کرنا زیادہ بُرا ہے (پھر مساجد کے اندر بھی مسجدِ نبوی، مسجدِ حرام وغیرہ کہ جہاں پر ایک نماز کا ثواب اور جگہ کی نمازوں سے زیادہ ہے) اس جگہ گناہ اتنا ہی شدید عذاب کا موجب بنے گا اسی طرح ایک تو گناہ کرنا دوسرے اوقات میں اور ایک متبرک اوقات مثلاً رمضان شریف میں گناہ کرنا دوسرے دنوں کے مقابلہ میں زیادہ بُرا ہے اور یہ ایام بھی متبرک ہیں تو اس میں گناہ کی سزا اور اوقات سے زیادہ شدید ہوگی۔ (التبلیغ ص۵۵ ج۸)

اس رات کے گناہ

جو گناہ اس رات میں کیے جاتے ہیں دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو برنگِ عبادت نہیں ہیں اس کا بُرا ہونا تو بالکل ظاہر ہی ہے جیسے آتشبازی چھوڑی جاتی ہے جس کی وہی مثل ہے گھر پھونک تماشہ دیکھا، اس میں کبھی ہاتھ جل جاتے ہیں مال اور جان دونوں کا نقصان ہوتا ہے پس علاوہ معصیت و گناہ ہونے کے اس میں دنیا کا بھی تو نقصان ہے۔

دوسری قسم جو کہ معصیت برنگِ عبادت ہے وہ کیا ہے بدعت، چناں چہ اسی رات میں ایک بدعت یہ بھی عوام میں جاری ہے، اگرچہ ہمارے یہاں نہیں ہے مگر بعض بوڑھیاں اب بھی جاری کیے ہوئے ہیں، جیسے حلوہ، اور چونکہ بدعت میں مزہ بہت ہے اس لیے تاویلیں کر کے حلوہ جائز کرنا چاہتے ہیں۔

ایک تاویل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دانت جب شہید ہوا تھا تو آپؐ نے حلوہ نوش فرمایا تھا۔ یہ بالکل موضوع اور غلط قصہ ہے، اس کا اعتقاد کرنا ہرگز جائز نہیں، بلکہ عقلاً بھی ممکن نہیں، اس لیے کہ یہ واقعہ شوال میں ہوا نہ کہ شعبان میں۔

اور بعض یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ان دنوں میں ہوئی تھی، یہ ان کی فاتحہ ہے، یہ بھی محض بے اصل ہے کیونکہ حضرت حمزہ رضؓ کی شہادت بھی شوّال میں ہوئی تھی نہ کہ شعبان میں۔ (اصلاح الرسوم صـ۱۳۲)۔

اور منع کرنے سے بھی نہیں مانتے، غرض چونکہ اس کے اندر لطف ہے اور مزہ ہے اور چونکہ بدعت بھی) ایک معصیت ہے۔ اس شب بابرکت میں ان معاصی (گناہوں) کا ارتکاب اور زیادہ بُرا ہے۔ (التبلیغ صـ۶۷ ج۸)۔

الفیہ نماز کی حقیقت

ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ بعض کتابوں میں تحریر ہے کہ پندرہویں شب شعبان میں خاص نوافل (نمازِ الفیہ پڑھی جاتی ہے یعنی سَو رکعتیں اس طرح پڑھتے ہیں کہ ہر رکعت میں دس دس بار سورۂ قل ھو اللہ احد کی قرارت ہو، یہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نہ کسی صحابی رضؓ اور تابعیؒ کا کوئی مضبوط ارشاد منقول ہے) پڑھنی چاہئیں، یہ کوئی قید نہیں۔ جو چیز شرعاً بے قید ہے اُس کو بغیر قید کے ہی رکھو۔ حدیث شریف میں (مبارک راتوں میں) نوافل کی کوئی قید نہیں آئی ہے بلکہ جو عبادت آسان ہو وہ کرلو۔ اس میں نوافل بھی آگئے اور وہ بھی کسی خاص ہیئت و کیفیت کے ساتھ نہیں۔

باقی بزرگوں کے کلام میں جو خاص ہیئت کے نوافل کا ذکر آیا ہے تو اس کا سبب

یہ ہے کہ کسی بزرگ نے کسی مرید کے لیے اس کی خاص حالت کے پیشِ نظر اس کے لیے تجویز کیا ہوگا، اور اس کے ... یں بھی مصلحت ہوگی، اب اس کو عام کرلینا، یہ بدعت ہے، باقی بزرگوں کو برا نہ کہے۔ غرض حدیث شریف میں کوئی عمل وارد نہیں، چاہے قرآن شریف پڑھو، یا اللہ اللہ کرو، یا نوافل پڑھو، خواہ وعظ کہو سنو چناں چہ (حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں) کانپور میں اس شب کے اندر ہم وعظ کہلواتے تھے کیونکہ وعظ کے شغل میں جاگنا ذرا آسان ہوتا ہے، اگرچہ بعض اس میں بھی سوجاتے ہیں۔ (التبلیغ ص۱۴۱ ج ۸)۔

خوب سمجھ لو کہ اس رات میں کوئی عبادت خاص منقول نہیں، خواہ وعظ سنو، خواہ نوافل پڑھو، خواہ تلاوتِ کلام اللہ کرو، اختیار ہے اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ:۔ "صُومُوا نہارہا" تو یہ امر بھی استحبابی ہے یعنی روزہ پندرہویں کا مستحب ہے فرض و واجب نہیں۔ غرض "قُومُوا لَیلَہَا" سے اس رات کی فضیلت معلوم ہوگی، اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں "ھَلْ مِنْ دَاعٍ فَاسْتَجِیبَ لَہٗ ھَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاغْفِرَ لَہٗ" یعنی ہے کوئی دعا مانگنے والا کہ ہم قبول کرلیں؟ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ اس کی مغفرت ہوجائے؟ صبح تک اسی کیفیت سے اعلان ہوتا رہتا ہے۔ (التبلیغ ص۴۲ ج ۸، الترغیب ص۱۰۴ ج ۲)۔

بخشش کی رات میں بھی محرومی

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِہٖ اِلَّا لِمُشْرِکٍ اَوْ مُشَاحِنٍ۔ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَرَوَاہُ اَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرو بن العاص رض)۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرتاجِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ جل شانہٗ نصف شعبان کی رات کو یعنی

شب برات میں دنیا والوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور مشرک اور کینہ رکھنے والے کے علاوہ اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے" اور یہ بھی الفاظ ہیں کہ کینہ رکھنے والے اور ناحق کسی کی زندگی ختم کر دینے والے کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس شب میں اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے)۔

تشریح:۔ حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اس بابرکت اور مقدس رات میں اپنی رحمت کاملہ کے ساتھ دنیا والوں پر متوجہ ہوتا ہے تو اس کا دریائے رحمت اتنے جوش میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کو بھی معاف کر دیتا ہے اور اپنی بندگی وعبادت اور اطاعت کے معاملہ میں اتنی مہلت دیتا ہے کہ اگر وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کی جائے گی اور اگر توبہ نہ کریں اور اپنی بداعتقادی اور بدعملی سے باز نہ آئیں تو انھیں عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

کینہ توز (کپٹ رکھنے والے) سے مراد وہ شخص ہے جو شرعی جہت سے نہیں بلکہ نفس امارہ کی فریب کاریوں میں مبتلا ہو کر خواہ مخواہ دوسروں کے لیے اپنے سینہ میں بغض وحسد کی آگ جلائے رکھتا ہے، ایسا بدباطن شخص بھی اس بابرکت رات میں پروردگار کی عام بخشش سے کوئی حصہ نہیں پاتا، شب برات میں جو بدبخت رحمت الٰہی کے سایہ میں نہیں ہوتے بایں طور کہ اُن کی بخشش نہیں ہوتی، ان کی تفصیل مختلف روایتوں میں مذکور ہے یہاں تو کفر کرنے والے، کینہ توز اور ناحق کسی کی جان لینے والے کا ذکر کیا گیا ہے۔

بعض روایتوں میں اتنا اور منقول ہے کہ ناتا کاٹنے والے (یعنی رشتہ داری اور بھائی بندی کو منقطع کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا۔ اسی طرح بعض روایتوں میں ازار لٹکانے والوں یعنی ٹخنوں سے نیچا پاجامہ، لنگی لٹکانے والوں، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں، ہمیشہ شراب پینے والوں اور بعض روایتوں میں زنا کرنے والوں اور ظلم کے ساتھ محصول لینے والوں، جادو کرنے والوں، کاہن غیب کی باتیں بتانے والوں اور باجا بجانے والوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے، یعنی یہ وہ بدبخت

لوگ ہیں جو اس مقدس رات میں بھی پروردگارِ عالم کی عام رحمت سے محروم ہیں۔ (مظاہرِ حق جدید صـ۲۰۲ ج ۲)۔

محرومین کی فہرست

روایات میں پندرھویں شبِ شعبان کی فضیلت واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ یہ شب اللہ ربُّ العزّت کے نزدیک نہایت مبارک اور قیمتی ہے۔ اور اللہ رب العزّت اپنے بندوں کی عام مغفرت فرماتے ہیں اور خاص توجّہ فرماتے ہیں۔ مگر یہ توجہ انھیں حضرات پر ہوتی ہے جو کہ خود بھی اس کی طرف انابت (رجوع اور متوجہ ہوں) کریں اور طالبِ مغفرت ہوں، اپنی اپنی حاجاتِ اُخروی اور دنیوی کو بارگاہِ خداوندی میں پیش کریں اور ان کو پورا کرائیں۔

مگر چند نوع گناہوں کی اس قدر شدید ہیں کہ جب تک ان کو نہ چھوڑ دیں اور ان سے مکمل توبہ نہ کریں اس وقت تک اس شخص کی مغفرت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (۱) مشرک (۲) کینہ رکھنے والا (۳) والدین کا نافرمان (۴) زنا کرنے والا (۵) شراب نوشی کرنے والا (۶) کاہن (۷) قطع رحمی کرنے والا (۸) کپڑا یعنی تہبند و پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔

یہاں ہر ایک کی الگ الگ کچھ تشریح پیش کی جاتی ہے:۔

مُشرک

خدا کی ذات وصفات میں غیرِ خدا کو شریک کرنے والا اور اس کے ساتھ معبود کی طرح معاملہ کرنے والا، اس کی پرستش کرنے والا وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ یَّشَآءُ" (پارہ ۵ سورۃ النسآء)۔

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس کو جو اُس کا شریک کرے اور بخش دیتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہئے۔

دوسری آیت "وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ"۔

اور جب کہ کہا لقمان (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے سے، جب اس کو سمجھانے لگا، اے بیٹے! شریک نہ ٹھہراؤ (اللہ کے ساتھ) بے شک شریک بنانا بڑا ظلم ہے (سورۃ لقمان، پارہ ۲۱)۔

شریک کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک جرمِ عظیم اور بغاوت ہے اور یہ جرم ناقابلِ معافی ہے۔ اپنی جان پر اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں جو کہ سبب دائمی ہلاکت اور بربادی کا ہے۔ اللہ رب العزت جو کہ خالق و مالکِ ارض و سما، یعنی زمین و آسمان کا مالک ہے اور اس کی ذات تن تنہا ہے، اس کا شریک کوئی نہیں ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ۔ خداوندِ قدوس جو کہ رحیم و کریم ذات ہے مگر غیرتِ خداوندِ عالم اس کی معافی کو گوارہ نہیں فرماتی جس طرح خدا کی ذات میں شرکت جرمِ عظیم ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ میں بھی شرکت گناہِ عظیم ہے۔ (حقیقتِ شب برات ص۱۹)۔

کینہ کیا ہے؟ آپس میں ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان سے کینہ رکھے تو یہ بالکل حرام اور خدا کی رحمت سے محروم کرا دینے کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ (پارہ ۹ سورۃ الاعراف)۔

”اختیار کرو معاف کر دینے کو اور حکم کرو اچھی بات کا اور منہ موڑ جاہلوں سے۔“

غلطی کا امکان لازمی ہے، اگر ایسا ہو جائے تو معاف کر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا معافی کو اختیار کرو، اور جہلاء اگر کوئی بات نامناسب کہیں تو ان سے اعراض کر لو اس طرف دھیان مت کرو۔

حدیث شریف میں ہے:۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبَاغَضُوْا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس میں بغض نہ رکھو۔“

کینہ جس کو عربی میں حقد کہتے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جب کسی آدمی کو غصہ میں اپنے دشمن سے بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو اس کے ضبط کرنے

سے اس شخص کی طرف سے دل میں ایک قسم کی گرانی ہو جاتی ہے، اس کو حقد یعنی کینہ کہتے ہیں۔ بس اس کا علاج یہی ہے کہ اس شخص کا قصور معاف کر کے اس سے میل جول و تعلقات شروع کرے گو بتکلف سہی، چند روز میں کینہ دل سے نکل جائیگا (تعلیم الدین از مولانا تھانوی رح ص۵۵)۔

حدیث شریف میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (بخاری و مسلم)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر پیر و جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر اس بندہ کی مغفرت کی جاتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شریک نہیں ٹھہراتا (خالص مؤمن ہے) مگر وہ شخص اس مغفرت سے محروم رہتا ہے کہ اس کے اور اس کے مسلمان بھائی کے درمیان کینہ ہو۔ (مشکوٰۃ ص۴۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کو تمام انسانوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، ہر مؤمن کی مغفرت کر دی جاتی ہے، مگر جن مسلمانوں کے درمیان میں کینہ ہو (ان کی مغفرت نہیں ہوتی)۔ ان کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ یہ حضرات اس کو ترک کر دیں اور آپس میں ملاقات کر لیں۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۲۸)۔

(ان روایات میں کینہ جیسی بری عادت کی مذمت اور خرابی بیان کی گئی ہے جو دنیا اور آخرت ہر اعتبار سے مہلک اور نقصان دہ ہے۔ آپسی تعلقات، خداوند قدوس کو محبوب ہیں۔ اگر آپس میں رنجش ہو جائے تو زائد وقت تک اس کو باقی نہ رکھا جائے، بلکہ بہت جلد ہی اس کو دور کیا جائے اور اس کی بہترین صورت ابتداءً سلام کرنا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) سے تین دن رات سے زائد ترک تعلق کر دے کہ وہ اس سے منہ موڑ کر چلے۔ محمد رفعت)

قطع رحمی کیا ہے؟

جو عزیز و اقارب (رشتہ داروں) کے حقوق ہم پر واجب ہیں ان کو ادا نہ کرنا اور ان کے ساتھ بد سلوکی کرنا، تعلقات

کو ختم کرنا، اس کو قطع رحمی کہتے ہیں۔ احادیث میں اس کی نہایت مذمت آئی ہے اور ایسا کرنے والے کو نہایت مذموم فرمایا گیا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ (دو گناہ) اس قدر سخت ہیں کہ ان کے کرنے والے کو بہت جلدی دنیا میں (بھی) عذاب (سزا) فرماتے ہیں (اور آخرت میں) اس کے علاوہ ہوگا۔ بغاوت (ظلم) قطع رحمی (تعلقات کا ختم کرنا)۔ (مشکوٰۃ شریف)

بہت سی احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رحم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے پاک نام رحمٰن سے نکالا گیا ہے۔ جو اس کو ملائے گا رحمٰن اس کو ملائے گا۔ اور جو اس کو قطع (توڑنا) کرے گا رحمٰن اس کو قطع کرے گا۔ (فضائلِ صدقات ص ۲۱۹ ج اول)۔

فقیہہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قطع رحمی اس قدر بدترین گناہ ہے کہ یہ شخص پاس بیٹھنے والوں کو بھی رحمت سے دور کر دیتا ہے، اس لیے ہر ایمان والے کو چاہیئے کہ بہت جلد اس مہلک مرض سے توبہ کرلے، اگر اس میں مبتلا ہے تو عملاً ختم کردے اور صلہ رحمی پر یعنی تعلقات قائم کرنے پر کاربند ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد ایک مجمع میں تشریف فرما تھے، فرمانے لگے میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں، اگر اس مجمع میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو تو چلا جائے۔ ہم لوگ اللہ تعالیٰ سے ایک دعاء کرنا چاہتے ہیں کیونکہ آسمان کے دروازے قطع رحمی کرنے والے کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔

دیکھیئے گا کس قدر اظہار ناراضگی ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ کا ارشاد قرآن و احادیث کی روشنی میں ہی ہو سکتا ہے۔ دعاء کی قبولیت میں قطع رحمی سے پرہیز نہایت ضروری ہے۔

اجتماعاً اگر دعاء کرنا ہے تو اس کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ یہ مجمع اس گناہ سے پاک وصاف ہو تاکہ رحمت خداوندی دعاء کرنے والوں پر متوجہ ہو، اور جبکہ دوسرے قطع رحمی کرنے والے کی وجہ سے محروم رہ سکتے ہیں تو پھر یہ خود کس قدر محروم ہوگا۔ نیز جب کہ اس کی توبہ بھی مقبول نہیں ہوتی ہتا وقتے کہ اس بدترین فعل سے

بچ نہ جائے (حقیقتِ شب برات صہ۲۴)۔

آپس میں دشمنی رکھنے والا، نفسانیت کی وجہ سے انسان اکثر حق وناحق کے فرق سے غافل ہو جاتا ہے اور دوسرے کا جو حق اپنے ذمہ آتا ہے اسے نظر انداز کر دیتا ہے، شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی بات پر دو بھائیوں (آپس) میں کچھ ناچاقی ہو جائے تو ایماندارانہ طریقے پر ہر شخص اپنی حالت پر غور کرے اور جو غلطی پر ہو وہ اپنی غلطی تسلیم کر کے اُسے دُور کرے اور خود آگے بڑھ کر صلح کر لے، اور ایمانی تقاضے کو سب سے زیادہ پورا کرنے والا وہ ہے جو پہلے بڑھ کر صلح صفائی کی پیش کش کر دے چاہے غلطی دوسرے ہی کی ہو۔

خدا نے انسان کو جو جسم وجان دیئے ہیں، یہ امانت ہے، انسان ان کی مدد سے نیکی کی راہ میں جدّ وجہد تو کر سکتا ہے ان کو ضائع نہیں کر سکتا، اور جو شخص یہ بد دیانتی اور خیانت کرتا ہے خدا کی نظر میں وہ بڑا باغی اور مجرم ہے جو اس رات کی خاص رحمت ومغفرت سے محروم رہے گا اور دوسری بہت سی سزاؤں کا بھی مستحق ہو گا۔ (الترغیب صہ۳۶ ج۳)

ٹخنوں سے نیچے کپڑے کا استعمال

ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا لنگی (وغیرہ) پہننا یا بہت لمبی آستین بنانا یا بہت لمبا شملہ (صافہ میں جو پیچھے کمر کی جانب چھوڑا جاتا ہے) چھوڑنا، حدیث شریف بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "نظرِ رحمت نہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف جو اپنی ازار (پاجامہ لنگی وغیرہ) کو اترانے کی راہ سے نیچے لٹکائے"

۲۔ دوسری حدیث میں اس لٹکانے کی حد آئی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ازار ٹخنوں سے نیچا ہو وہ دوزخ میں ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری رحمہ نے)۔

۳۔ تیسری حدیث میں دوسرے لباسوں میں بھی اس کا حرام ہونا مذکور ہے۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسبال یعنی دراز کرنا اور حد سے

بڑھانا ازار میں بھی ہوتا ہے اور کرتہ میں بھی اور عمامہ میں بھی۔ جو شخص ان میں سے کسی لباس کو تکبر کی راہ سے حد سے زیادہ بڑھائے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت نہ کریں گے قیامت کے دن۔ (روایت کیا اس کو ابو داؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے)۔

اور اس کی تائید کرنے والی ایک اور حدیث ہے جس میں ارشاد ہے کہ "جو شخص اپنے کپڑے کو اترا کر بڑھائے گا اللہ تعالیٰ اُس شخص کی طرف قیامت کے روز نظرِ رحمت نہ فرمائیں گے، (روایت کیا اس کو امام بخاری رحہ نے) اس میں مطلقاً کپڑے کو فرمایا، جس میں تمام کپڑے آ گئے، جس میں ازار کے بڑھانے کی حد تو حدیث میں آ گئی ہے اور دوسرے لباسوں اور کپڑوں کے متعلق علمارِ محققین نے فرمایا کہ آستین کا انگلیوں سے آگے بڑھانا اور شملہ کا نصف کمر سے نیچے ہونا، یہ سب اسبالِ ممنوع ہے۔

بعض کج فہم یوں کہتے ہیں کہ حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی ہے جو براہِ تکبر ہو، ہم تو تکبّر نہیں کرتے، اس لیے ہمارے لیے جائز ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اول تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہم تکبّر نہیں کرتے، اچھا پھر ایسا کیوں کرتے ہو، وضعِ مسنون کیوں اختیار نہیں کرتے ہو، اس کے اختیار کرنے میں دل کیوں تنگ ہوتا ہے، اونچے پائنچوں کو حقیر کیوں جانتے ہو، اگر یہ تکبّر نہیں تو اور کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ حدیث شریف میں جو تکبّر کی قید آئی ہے یہ کیا ضروری ہے کہ قید احترازی ہو، ممکن ہے کہ قید واقعی ہو، چونکہ اکثر لوگ اسی قصد سے کرتے ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قید ذکر فرمائی اور ممنوع ویسے بھی ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں ہے جس میں ٹخنوں کی حد کا ذکر ہے، اس میں یہ قید تکبّر کی مذکور نہیں، مطلقاً ارشاد ہوا ہے جس سے یہ ثابت ہوا ہے خواہ تکبّر ہو یا نہ ہو، ہر حال میں ممنوع ہے، ہاں تکبّر میں ایک گناہ تکبر کا اور مل کر معصیت شدید ہو جائے گی، یہ دوسری بات ہے اور بلا تکبّر ایک ہی معصیت رہے گی، مگر رہے گی تو سہی۔ بچاؤ اور جواز کی تو صورت نہ نکلی، اگر کوئی کہے کہ اس مطلق کو بھی ہم اسی پر محمول کر لیں گے۔ تو جواب اس کا یہ ہے

کہ یہ اَمر اصولِ فقہ حنفی میں بدلیل ثابت ہو چکا ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رہا کرتا ہے۔ غرض کوئی گنجائش جواز کی نہیں۔

بعض لوگ تقویٰ جتلانے کو نماز میں (پائجامہ پینٹ وغیرہ کو) اوپر کو کر لیتے ہیں حالانکہ نماز سے خارج بھی تو گناہ سے بچنا واجب ہے اس حیلہ سے کیا ہوتا ہے بعض لوگ پائنچے تو لمبے لمبے بناتے ہیں مگر بٹن ٹخنوں سے اونچے لگا لیتے ہیں کہ ٹخنوں سے اوپر چوڑیاں پڑی رہتی ہیں۔ یاد رکھو کہ اصل گناہ تو کپڑے کا برباد کرنا ہے، خواہ ٹخنے ڈھکے رہیں یا کھلے رہیں اس سے کیا بچاؤ ہوا، اور یاد رہے کہ درزی کو بھی ایسے کپڑے سینا جائز نہیں، کیونکہ گناہ کی اعانت بھی گناہ ہے۔ صاف انکار کر دینا چاہیئے، کچھ رزق ایسے ہی کپڑے سینے پر منحصر نہیں ہے۔ (اصلاح الرسوم صـ ۲۸)۔

کتّے کا شرعی حکم

منجملہ رسوم کے گھر میں تصویروں کا لگانا اور بلا ضرورت کتّوں کا رکھنا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "نہیں داخل ہوتے فرشتے (رحمت کے) جس گھر میں کتّا یا تصویر ہو" (بخاری و مسلم)۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سب سے زیادہ عذاب اللہ تعالےٰ کے نزدیک تصویر بنانے والے کو ہوگا" اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بجز تین غرض کے کتّا پالے (۱) مویشی کی حفاظت (۲) شکار (۳) گھر یا کھیت کی حفاظت۔ اس کے ثواب میں ہر روز ایک قیراط (حدیث میں قیراط کی مقدار اُحد پہاڑ کے برابر آئی ہے) کم ہوتا رہے گا روایت کیا اس کو مسلم و بخاری نے۔ ان حدیثوں سے تصویر بنانا، تصویر رکھنا، بلا ضرورت کتّا پالنا۔ سب کا حرام ہونا ثابت ہو گیا ہے۔

اس زمانہ میں تہذیب جدید کے لوازم سے یہ دونوں امر ہو گئے۔ تصویر مکان کا جز اور کتّا اہل و عیال (گھر والوں) میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ ذرا بھی دل کو

انقباض (رکاوٹ) اور روک ٹوک نہیں، بے دھڑک دونوں چیزیں برتی جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کی عقلوں پر اس قدر سستی کا غلبہ ہے کہ گیتّے کے اوصافِ حمیدہ بیان کر کے ممانعت کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔ گویا درپردہ نعوذ باللہ اس حکم شرعی کے عبث (بے کار) اور لغو ہونے کے مدّعی ہیں۔ اگر سچ مچ ان کے دلوں میں ایسا خیال ہے تو تجدیدِ ایمان ضروری ہے۔ مسلمان بننے کے بعد احکامِ شرعیہ کی علّت ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں، احکامِ مجازی (دنیاوی احکام) کے بہت سے قوانین واحکام کی علّت سمجھ میں نہیں آتی اور پھر بے چون وچرا ان کو مانتے ہیں، تو حاکمِ حقیقی (اللہ تبارک وتعالیٰ) کے احکام میں کیوں چون وچرا کی جائے؟ اگر کوئی کہے کہ ہمارا دین تو عقل کے موافق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقل کے موافق ضرور ہے مگر عقل کی رسائی (پہونچ) تو وہاں تک ضروری نہیں۔ مثلاً بہت سی چیزیں حسِ بصر سے دریافت کرنے کے قابل ہیں مگر اندھوں کو ادراک (محسوس) نہیں ہو سکتا۔ یہ عقل والے کا کام ہے کہ احکام کی علّت کو سمجھ لے، یہ عقل انبیاء (علیہم السلام) اور اولیاء کاملین اور علماء راسخین (پکے علماء رحمۃ اللہ علیہا) کو عطا ہوتی ہے۔ عوام کی عقل میں اس قدر قوت نہیں۔ اور کوئی ڈگری، یا پاس کر لینے سے زمرۂ عوام سے خارج نہیں ہو جاتا۔

اور یہ کہ مراد اس سے دین کے اصول ہیں کہ وہ عقلی ہیں۔ یعنی جو قرآن شریف اور حدیث شریف کو بھی نہ مانتا ہو، اس کو توحید ورسالت کی تعلیم دلیلِ عقلی سے ممکن ہے۔ رہ گئے فروع، مثلاً فلاں چیز حرام کیوں ہے، فلاں چیز حلال کیوں ہے، اس کا عقلی ہونا بایں معنیٰ ضروری نہیں، بلکہ اس کو دلیلِ شرعی سے مان لینا چاہیے اور عقل کے موافق بھی یہی بات ہے کہ حاکم کو حاکم ماننے کے لیے جتنی دلیلیں چاہئیں کر لی جائیں، جب حاکم ہونا تسلیم کر لیا، پھر اس کے ہر ہر حکم میں حجّتیں (دلیلیں) تلاش کرنا صریح بغاوت ہے۔ یعنی جب اللہ کو تسلیم کر لیا ایمان لے آئے تو پھر اس کے ہر حکم کو مانا جائے، وجہ اور علّت نہ تلاش کی جائے کیونکہ دنیاوی قوانین کی علّت، وجہ، لِم، ہماری سمجھ میں

نہیں آئی ہے پھر بھی مانتے ہیں۔

غرض حکمِ شرعی کو بلانزاع مان لینا واجب ہے، ہاں ماننے کے بعد تحقیقِ حکمت کے لیے بطور استفادہ کے اگر غور کیا جائے تو وجہ بھی نکل آتی ہے۔ بعض لوگ زبردستی کی ضرورتیں تراش لیتے ہیں کہ ہم نے مکان کی حفاظت کے لیے کتا پال رکھا ہے۔ لیکن یاد رکھیئے گا اللہ تعالیٰ تو ارادہ اور نیّت کو دیکھتے ہیں۔ اگر خاص مقصد تفریح سے پالتے ہیں تو اجازت نہیں ہوسکتی ہے، صرف کُتّے سے تو حفاظت وہ کرے جس کے پاس نوکر (ملازم) دربان، پہرے دار نہ ہوں، جب ماشاء اللہ ایک ایک کام کے لیے متعدد نوکر ہیں تو کتّوں کی کون سی ضرورت رہ گئی ہے؟۔ اسی طرح شکار کا پورا سامان بندوق ہے تو پھر کُتّے کیوں پالتے ہیں؟ (اصلاح الرسوم ص۳ از حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)۔

تصویر کا شرعی حکم

بعض لوگ تصویر کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ ہم پوری تصویر نہیں بناتے اور نہیں رکھتے، بلکہ صرف گردن تک ہوتی ہے، اور جب تصویر میں ایسا عضو کم ہوجائے جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں تو ایسی تصویر جائز ہوتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ عضو کے کم ہوجانے سے حُرمت اس لیے نہیں رہتی کہ وہ تصویر نہیں معلوم ہوتی بلکہ جھاڑ یا درخت وغیرہ معلوم ہونے لگتا ہے اور چہرہ تو تمام تصویر کی ناک ہے، جب یہ باقی ہے بس پوری تصویر کے قائم مقام ہے اور ہرگز اس کی اجازت نہیں ہوسکتی ہے۔

بعض لوگ اعتراضاً کہتے ہیں کہ روپیہ رکھنے کی کیوں اجازت ہے جب کہ اس پر بھی تصویر ہوتی ہے؟

جواب یہ ہے کہ روپیہ تو ایک ضرورت کی چیز ہے، ضرورت میں تنگی کم ہوجاتی ہے اور یہ لوگ محض زینت و آرائش کے شوق میں تصویر لگاتے ہیں۔ تو کہاں یہ، اور کہاں وہ۔ (اصلاح الرسوم ص۳۱)۔

مسئلہ:- جس گھر میں کتا، سُوَر (خنزیر)، شراب، زانی یا زانیہ یا تصویر ہو اس میں فرشتہ (رحمت کا) داخل نہیں ہوتا۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۳۸۰)۔

علم نجوم

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک نقل فرماتے ہیں کہ "جس نے علم نجوم کے حصوں میں سے کچھ حصہ (جو کہ شریعت کے خلاف ہو) حاصل کیا تو (گویا) اس نے جادو کو حاصل کیا، نجومی کاہن ہے اور کاہن جادوگر ہے اور جادوگر کافر ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۰۹۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ اَشْرَكَ" (نسائی شریف صفحہ ۱۷۱ ج ۲)۔

جادو وغیرہ یہ تمام شرک و کفر کی ہی شاخیں ہیں جو بالکل حرام ہیں جس طرح جادو کرنا حرام ہے، ایسے ہی جادو کرانا بھی حرام ہے، اور آج کل عوام تو کیا بعض خواص بھی اس مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جہاں کسی سے کوئی دشمنی ہوئی یا اور کوئی بات ہوئی تو اس کا سہارا لیتے ہیں اور اپنی دِلی بھڑاس نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور عورتیں بھی اس مرض میں مبتلا ہیں کہ ذرا سا کوئی خلافِ منشا کام ہوا تو اس کی طرف دوڑتی ہیں جبکہ یہ وعیدیں سامنے ہیں۔ اور اس قسم کے تعویذات وغیرہ جن میں کسی مسلمان کو یا کسی بھی انسان کو تکلیف ہو، ناجائز اور حرام ہے۔

ان تمام چیزوں سے بچنا چاہیئے اور جو اس قسم کے کام کرتے ہیں وہ بھی سخت گنہگار ہیں اور اس پر اُجرت لینا اور دینا دونوں ہی حرام ہیں۔ (حقیقتِ شبِ برات ۱۵)

شراب نوشی کا حکم

اسلام میں شراب اور ہر نشہ والی چیز کا استعمال حرام کیا گیا ہے۔ قرآن و احادیث میں اس کی حرمت مفصل طور پر بیان کی گئی ہے "اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ الخ (پارہ ۷، رکوع ۲)

(ترجمہ) بے شک شراب اور جُوا اور بُت اور پانسے سب گندے کام ہیں۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۸۶ ج میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔ (یعنی

تمام نشہ آور چیزیں حرام ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "احسان جتلانے والا، والدین کی نافرمانی کرنے والا، شراب پینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۲)۔

ایک اور حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ "تین آدمیوں پر جنت حرام ہے (منجملہ ان کے) ایک شراب پینے والا بھی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۳۱۸)۔

غیب کی باتیں بتانے والے کا حکم

درحقیقت علمِ غیب اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، اُس کے سوا کسی کو علمِ غیب اپنی اصطلاحی حقیقت کے ساتھ نہیں، اس لیے غیب کی خبر بتلانا اور دریافت کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا ہے۔ شریعت نے ان کو بالکل حرام فرمایا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں اس کی تفصیل آئی ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے کہ:۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (پارہ ۲۱۔ سورۂ لقمٰن)۔

احادیث میں اس پر سخت ترین وعید فرمائی گئی ہے کہ جو شخص علمِ غیب پوچھے اور بتلائے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں کہ جو شخص عراف یعنی غیب کی بات بتلانے والے کے پاس آیا اور پھر اس نے اس سے کسی چیز کی بابت دریافت کیا تو اس شخص کی نماز چالیس رات تک قبول نہ ہوگی۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۹۳)

والدین کی نافرمانی کرنے والے کا حکم

انسان کی تربیت میں چونکہ والدین کا درجہ سب مخلوق سے اول ہے اس لیے ہر قسم کی نیکی اور حُسنِ سلوک ماں باپ کے ساتھ کیا جائے۔ خصوصاً جبکہ والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو گئے ہوں تو ایسی حالت میں

ان سے نہایت نرمی، شیرینی اور خوش خلقی کی گفتگو کی جائے۔ زبان یا ہاتھ پاؤں سے ان کی شان میں کوئی بدتہذیبی اور سختی کا مظاہرہ نہ کیا جائے بلکہ ان کے سابقہ حقوق کو یاد کر کے ان کے لیے دعاءِ رحمت و مغفرت کی جائے۔

والدین اپنی اولاد کو انتہائی مہربانی و شفقت سے پرورش کرتے ہیں، اس کا تقاضہ ہے کہ ان پر شفقت و مہربانی کی جائے۔ اور ہر طرح کی ان کی دست گیری اور امداد کی جائے اور فقط اس شفقت و خبر گیری پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاءِ رحمت بھی کی جائے۔ والدین سے نیک برتاؤ کرنے کے متعلق بکثرت احادیثِ صحیحہ موجود ہیں، ان میں سے چند نقل کی جا رہی ہیں:۔

امام احمدؒ و مسلمؒ نے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ذلیل ہو وہ شخص جس نے ماں باپ یا دونوں میں ایک کو پایا پھر جنت میں داخل نہ ہوا" (یعنی ان کی خدمت و فرماں برداری نہ کی)۔

ایک صحابی رضؓ نے خدمتِ گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے جہاد کا ارادہ کیا ہے۔ حضور کی خدمت میں مشورہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تیری ماں ہے؟ صحابی رضؓ نے عرض کیا جی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس کی خدمت اپنے اوپر لازم کر لے جنت اس کے قدموں کے پاس ہے۔ پھر متفرق مجالس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ سہ بارہ یہی ارشاد فرمایا۔ (رواہ النسائی وابنِ ماجہ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "رضائے الٰہی والدین کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والدین کی ناخوشی میں ہے۔ (ترمذی، تفسیر بیان السبحان ص ۳۹۵ ج ۲)

شعبان کے روزہ کا ثبوت

وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَیْلَہَا وَصُوْمُوْا یَوْمَہَا فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْزِلُ فِیْہَا بِغُرُوْبِ الشَّمْسِ

إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ أَلَا مَنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ (رواہ ابن ماجۃ)۔

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب نصف شعبان کی رات ہو (یعنی شب برات) تو اس رات میں نماز پڑھو اور اس کے دن میں (پندرہویں شعبان کو) روزہ رکھو، کیونکہ اللہ جل شانہٗ اس شب میں آفتاب چھپنے کے وقت سے آسمانِ دُنیا (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے۔ (یعنی اپنی خاص رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے) اور (دنیا والوں سے) فرماتا ہے کہ آگاہ! ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اسے بخشوں؟۔ آگاہ! ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اُسے رزق دوں؟۔ آگاہ! ہے کوئی گرفتارِ مصیبت کہ میں اُسے عافیت دوں؟۔ آگاہ! ہے کوئی ایسا ویسا (یعنی اللہ تعالیٰ ہر تکلیف کا نام لے کر اپنے بندوں کو پکارتا رہتا ہے مثلاً فرماتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ میں عطا کروں؟ ہے کوئی غمگین کہ میں اُسے خوشی اور مسرت کے خزانے بخشوں وغیرہ وغیرہ) یہاں تک کہ طلوعِ فجر ہو جاتی ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ شب برات کی عظمتوں اور فضیلتوں کا کیا ٹھکانہ؟ یہی وہ مقدس رات ہے جب کہ پروردگارِ عالم اپنی رحمتِ کاملہ اور رحمتِ عامّہ کے ساتھ اہلِ دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے دنیا والوں کو اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے ان کے دامن میں رحمت و بخشش اور عطا کے خزانے بھرتا ہے۔

بشارت ہو ان نفوسِ قدسیہ کو اور ان خوش بختوں کو جو اس مقدس رات میں اپنے پروردگار کی رحمت کا سایہ ڈھونڈھتے ہیں، عبادت و بندگی کرتے ہیں اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کی درخواست پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی درخواستوں کو اپنی رحمتِ کاملہ کے صد[illegible] قبول فرماتا ہے۔

افسوس ہے ان بدنصیبوں پر جو اس بابرکت و باعظمت شب کی تقدیس

کا استقبال لہو ولعب یعنی کھیل کود سے کرتے ہیں، آتش بازی جیسے قبیح فعل میں مبتلا ہو کر اپنی نیک بختی وسعادت کو بھسم کرتے ہیں، کھیل کود اور حلوے مانڈے کے چکر میں پڑ کر رحمت خداوندی سے دوری اختیار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم شب برات کی عظمت وفضیلت کا احساس کریں، اس رات کی تقدیس کا احترام کریں اور عبادت وبندگی کا مخلصانہ نذرانہ پروردگار کی بارگاہ میں پیش کر کے اس کی رحمتِ عامّہ سے اپنی دین ودنیا کی سعادتوں اور کامرانیوں کو حاصل کریں۔ (مظاہر حق جدید صـ۲۰۱ ج ۲)۔

شب برات کا روزہ رکھنے کی وجہ

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ لَمْ أَرَكَ تَصُوْمُ مِنْ شَهْرٍ مِنَ الشُّهُوْرِ مَا تَصُوْمُ مِنْ شَعْبَانَ قَالَ: ذَاكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبَ وَرَمَضَانَ، وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْأَعْمَالُ إِلَى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ عَمَلِيْ وَأَنَا صَائِمٌ۔ (رواہ النسائی)۔

ترجمہ:۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا! اے اللہ کے رسول! آپ شعبان کے مہینے میں جتنے روزے رکھتے ہیں میں نے آپ کو کسی اور مہینے میں اتنے روزے رکھتے نہیں دیکھا؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! یہ رجب اور رمضان کے درمیان وہ مہینہ ہے جس سے لوگ غافل ہو جاتے ہیں اور اسی مہینے میں بارگاہِ رب العٰلمین میں اعمال لے جائے جاتے ہیں، تو میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال لے جائے جائیں تو میں روزے سے ہوں۔"

اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس مہینے میں اس سال کے تمام وفات پانے والوں کا فیصلہ لکھدیا جاتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ جب میری اجل (موت) کا فیصلہ لکھا جائے تو روزے سے ہوں۔

تشریح:- رمضان کا مہینہ تو افضل ترین مہینہ ہے ہی، ماہ رجب بھی اشہر حرم (باعظمت چار مہینوں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرّم اور رجب) میں سے ایک ہے اور جس کی اسلام سے قبل بہت تعظیم کی جاتی تھی، اور شعبان ان دو مبارک مہینوں کے درمیان واقع ہے اور خود شعبان کے بھی متعدد فضائل ہیں۔ یہاں تک کہ ترمذی اور بیہقی (حدیث کی کتابوں کے نام ہیں) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ رمضان کے بعد سب سے بہتر شعبان کے روزے ہیں جو رمضان کے احترام (اور اس کی تیاری) میں رکھے جائیں۔

اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ یہ مہینہ لوگ غفلت میں نہ گزار دیں، پھر جس طرح فرض نماز سے پہلے کی سنّتیں، نماز سے انسان کے دل کو مانوس کرنے میں اور عالمِ روحانی سے اُسے قریب کرنے میں ایک خاص اثر رکھتی ہیں وہی نسبت شعبان کے روزوں کی فرض روزوں سے ہے۔

شعبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر روزے رکھنے کی ایک خاص وجہ علاوہ شعبان کی فضیلت کے یہ بھی تھی کہ آپؐ کا معمول ہر مہینے میں تین۳ روزے رکھنے کا تھا تو کبھی وہ روزے رہ بھی جاتے تھے تو آپؐ ان سب کو جمع کر کے شعبان میں پورا فرما لیتے تھے۔

اور ماہِ شعبان میں آپؐ کے روزوں کے متعلق روایات مختلف ہیں، یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے اکثر حصّے میں روزے رکھتے تھے، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے سوائے رمضان کے اور کسی مہینے میں تمام مہینے کے روزے نہیں رکھے، اس لیے علماءؒ نے اس روایت میں تمام ماہ سے اکثر ایام مراد لیے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی سال پورے شعبان کے روزے رکھے ہوں اور کسی سال کچھ ناغہ بھی کر دیئے ہوں۔

(الترغیب والترهیب صفحہ ۳۵۶ جلد ۲)۔

عورت کے لیے نفل روزہ کا حکم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَحِلُّ لِاِمْرَأَةٍ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ "علاوہ رمضان کے کوئی روزہ رکھے"۔

تشریح:۔ اجازت (نفلی روزہ کے لیے) یا تو زبانی لے لی جائے اور یہی بہتر ہے اور اگر عورت کو یہ یقین ہے کہ میں روزہ رکھ لوں گی تو انھیں یعنی شوہر کو ناگوار نہ ہوگا یا یہ کہ شوہر کی طرف سے پہلے سے اجازت ہے تو بغیر نئی اجازت کے بھی روزہ رکھ سکتی ہے۔

(اور نفلی روزہ کی) ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ نہ معلوم کس وقت ایسا اتفاق پیش آجائے جس میں روزہ رکاوٹ ہو۔ البتہ رمضان المبارک کا روزہ فرض ہے اس میں کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔ (الترغیب والترہیب صـ۳۸۳ ج ۲)۔

عبادت میں نیند کیوں آتی ہے؟

نیند یکسوئی سے آتی ہے کھیل تماشے میں یکسوئی نہیں ہوتی، ہر جز میں جُدا جُدا لذت ہوتی ہے جس پر توجہ منتقل کی جاتی ہے، اس سے توجہ تقسیم ہوجاتی ہے اس لیے نیند نہیں آتی بخلاف نماز کے، جب اس کو شروع کردیا چونکہ وہ ہم کو ایسی یاد ہوتی ہے کہ سوچنے اور غور کرنے میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے گھڑی میں چابی بھر دیتے ہیں تو خود بخود چلتی ہے، اس لیے بالکلیہ نماز میں توجہ بانٹنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی ہے اس میں یکسوئی ہوجاتی ہے اس لیے نیند آجاتی ہے اسی طرح وعظ کہ جہاں شروع ہوگیا اور اس طرف کان لگ گئے بس یکسوئی

ہوگئی اور نیند آنے لگی اور کھیل تماشہ میں توجہ بٹی رہتی ہے یکسوئی نہیں ہوتی، اس لیے نیند بھی نہیں آتی، مطلب یہ کہ یکسوئی میں نیند آتی ہے۔ (التبلیغ ص ۱۶۵ ج ۸)۔

عبادت میں نیند نہ آنے کی ترکیب

اور عبادت میں نیند نہ آنے کی تدبیر یہ ہے کہ متفرق اعمال کر لیے جائیں تاکہ توجہ منقسم رہے، کچھ نوافل پڑھ لے، تلاوت کرنے لگے، ذکر کرنے لگے، پھر وعظ شروع کر دیا جائے یا سننے لگے۔ بہتر تو یہی ہے کہ گھر کے لوگ جمع ہو کر عبادت کریں، اگر ساری رات نہ جاگ سکے اور نیند کا غلبہ ہو اور اکثر حصہ جاگ سکے، تو بھی شبِ قدر کی فضیلت ملے گی، بس سستی نہ کرے، اور نیند نہ آنے کی تدبیر بھی کرے مثلاً یہ کہ رات کو کھانے میں قدرے کمی کرے، پھر اگر ضرورت ہو تو کالی مرچ چبائے اس سے بھی نیند بھاگتی ہے۔ اور جو بھی تدبیریں نیند نہ آنے کی ہوں سب کرے، اور اگر باوجود تدبیر کرنے کے پھر بھی نیند غالب ہو تو وہ نیند معتبر ہے، یعنی پھر سو جائے، لیکن یہ نہیں کہ ذرا سی نیند آئی اور پڑ کر سو گئے، غلبہ نیند کی صورت اس طرح سمجھو، ایک صاحب کی حکایت ہے کہ وہ پڑھ رہے تھے کہ "کریما بہ بخشائے بر حالِ ما" اور نیند میں نکل رہا تھا "اری ماں"۔ (التبلیغ ص ۱۶۷ ج ۸)۔

(مطلب یہ کہ ذرا سی اونگ سی آنے لگے اس کا اعتبار نہیں بلکہ نیند غالب ہو جائے اور نیند کی وجہ سے ذکر کرتے وقت یا پڑھتے وقت الفاظ کچھ کے کچھ نکل رہے ہوں جس کی وجہ سے معنی بھی بدل جائیں۔ اگر یہ حالت ہو تو سو جائے، نیت پر دار و مدار ہے، یہ مکلف نہیں اور امید ہے کہ اس کو پورا ثواب ملے۔ اور شروع شب میں ہی عبادت وغیرہ کر لے کیونکہ آخر رات میں عبادت کرنا افضل انھیں کے لیے ہے جن کو اُٹھنا آسان ہو یا اُٹھنے کی اُمید ہو، محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

جاگنے کا طریقہ

نیند نہ آنے کے لیے متفرق عبادتوں میں مشغول ہوں کسی سے کوئی مختصر مباح بات بھی کر لی (جائز بات، غیبت وغیرہ نہ ہو جیسے کھانے کے ساتھ کبھی کبھی مُربّہ، اچار و چٹنی کا بھی ذائقہ لے لیتے ہیں)، اتنی بات

کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں، یہ نہ ہو کہ سارا وقت باتوں ہی میں گزار دیں کیونکہ صرف خالی جاگنا ہی مقصود نہیں (عبادت کرنا بھی ہے) جیسے میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ محض جاگنے کے لیے افیون کھایا کرتے تھے جو خلافِ شرع حرکت تھی۔ تو ایسے جاگنے سے کیا فائدہ، ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے، جاگنا تو عبادت کے لیے ہو مگر تجدید نشاط کے لیے بیچ بیچ میں تھوڑی بات بھی کرلی تو کوئی مضائقہ نہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کرلیتے تھے، باتیں مقصود نہیں تھیں، بلکہ طبیعت کی تازگی کے لیے ایسا فرماتے۔ اس طرح نفس کو خوش رکھ کر جاگے۔ (التبلیغ صہ۴۳ ج۸)۔

(بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ پوری رات جاگنا تو مشکل ہے اور تھوڑی بہت دیر جاگنے سے کیا فائدہ؟ یہ خیال غلط ہے کیونکہ اگر رات کے اکثر حصہ میں جاگ کر عبادت کرلی تو یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور پوری رات ہی جاگنا کون سا مشکل کام ہے، انسان ڈیوٹی یعنی ملازمت، کاروبار اور دنیاوی دھندوں میں کئی کئی رات مسلسل جاگتا ہے اور فخریہ کہتا ہے کہ مجھے اتنی رات جاگتے ہوئے ہوگئی ہیں ذرا دیکھیئے گا گذشتہ مبارک شب میں کتنے لوگ ایسے تھے جو آج دنیا میں نہیں ہیں اور وہ ان کے لیے آخری مبارک شب تھی، ہمیں کیا خبر ہے کہ آئندہ ہم میں سے کس کس کا بلاوا آجائے اور اس نعمت سے محروم ہونا پڑے۔ ہر عقلمند انسان جانتا ہے کہ آئندہ ہر ضرورت کا انتظام اس کے پیش آنے سے پیشتر ہی کیا جاتا ہے۔ سردی کے گرم کپڑے سردی شروع ہونے سے پہلے ہی تیار کیے جاتے ہیں، شادی وغیرہ کا انتظام پہلے ہی سے کیا جاتا ہے، تو کیا موت کی تیاری موت کے بعد ہوگی؟ اگر ایسا نہیں تو بتایئے کہ اس وقت جبکہ آپ یہ مضمون پڑھ رہے ہیں، اس کے علاوہ کون سی تاریخ اور کونسا دن آپ کا پانا یقینی ہے؟ زندگی کے یہ صبح وشام ہی عمل کرنے کا موقع اور وقت ہیں ہر دن موت کو کھینچ کر ہمارے پاس لیے چلا آرہا ہے۔ بس اب ہماری کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ خود ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہے ہم جیسا چاہیں فیصلہ کرلیں، کیونکہ خدا کا دیا ہوا وقت موجود ہے، یہ دنیا دار العمل بھی ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

شریعت کا مقصود

اگر تکان ایسا ہو جائے کہ نیند سے بے قابو ہو جائے تو جاگے نہیں بلکہ سو جائے کیونکہ ارشاد ہے:۔

فلیرقد۔ (پس وہ سو جائے)۔ ایسی حالت میں سونے میں ہی فضیلت ہے۔

بہر حال عبدیت مطلوب ہے خواہ سونے میں ہو یا جاگنے میں اپنے کو خدا کے سپرد کردے جیسا حکم ہو ویسا ہی کرے، غرض اتباع نفس کے لیے کچھ نہ ہو محبوب کا جو حکم ہو وہ کرو، یہی دراصل عبدیت ہے اور باقی کوئی شے بالذات مقصود نہیں، بعض اوقات نماز پڑھنا ممنوع ہو جاتا ہے۔ (التبلیغ ص۲۲)۔

مبارک راتوں میں مساجد میں اجتماع

سوال:۔ نصف شعبان وعیدین اور رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ وغیرہ میں جو عام رواج بن گیا ہے کہ مساجد میں ذکر و تلاوت وغیرہ کے لیے لوگ جمع ہوتے ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ان مبارک راتوں میں مساجد میں آکر عبادت کرنے کے تین طریقے ہیں:۔

(۱) مسجد میں آکر عبادت کرنے کا اہتمام نہیں کیا بلکہ اتفاقاً مسجد میں آکر تلاوتِ قرآن اور ذکر میں لگ گئے، یہ جائز ہے لیکن یہ نوافل اور ذکر اگر گھر میں کرتا تو زیادہ ثواب ملتا، بلکہ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کی بہ نسبت بھی گھر میں نفل عبادت کا زیادہ ثواب ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔

(۲) مساجد میں آنے کا اہتمام کیا گیا ہو، یہ بدعت ہے اس لیے کہ نوافل کے لیے مسجد کا اہتمام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں نوافل پڑھنے کو زیادہ ثواب سمجھتا ہے اور یہ شریعتِ مطہرہ پر زیادتی ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں اس کی صراحت ہے کہ نوافل کا گھر میں پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

(۳) خاص راتوں میں مسجد میں عبادت کا اہتمام ہیئتِ اجتماعیہ کے ساتھ کیا جائے، مثلاً نوافل کی جماعت کی جائے یا تقریریں، یہ صورت بدعت ہے، دوسری صورت سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ اس میں ایک تو وہ خرابی ہے جو نمبر۲ میں مذکور ہوئی۔ دوسری یہ خرابی

بھی ہے کہ نفلی عبادت کے لیے ہیئتِ اجتماعیہ پیدا کرلی جو شرعًا ممنوع ہے۔

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ گھروں میں شور ہوتا ہے بچے روتے ہیں جس کی وجہ سے دل جمعی اور خشوع باقی نہیں رہتا۔ یہ شیطان کا فریب ہے، دراصل خشوع نام ہے سنت کے مطابق عبادت کرنے کا۔ اگر سنت کے مطابق عبادت کرلی تو خشوع و خضوع بھی حاصل ہے، اگر خلافِ سنت لاکھ آہ و بکا اور ہیئتِ خشوع اختیار کریں، شرع کی نظر میں اس کو خشوع نہیں کہا جائے گا۔

سوچنے کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انتہائی سخت مجبوری کے باوجود تہجد وغیرہ کے نوافل گھر میں ادا کیے اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھے اور آج ہم یہ کہنے لگیں کہ ہمیں تو گھر میں خشوع حاصل نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ مبارکہ میں نفل پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے پاؤں پھیلائے ہوئے لیٹی ہوئی ہوتیں، جب آپؐ سجدہ کرنے لگتے تو اپنے ہاتھ سے ان کے پاؤں کو چھوتے تب وہ اپنے پاؤں کو سمیٹ لیتیں۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تو حضرت عائشہ رضؓ اپنے پاؤں پھیلا دیتی تھیں۔

رات اندھیری، چراغ کا انتظام نہیں، گھر میں اتنی وسعت تک نہیں کہ ایک آدمی لیٹ جائے تو دوسرا سجدہ کرسکے، اور مسجدِ نبویؐ اتنی قریب کہ حجرہ سے قدم نکالا تو مسجد میں پہونچ گئے، پھر مسجد بھی مسجدِ نبوی ہے جس کا فضل ظاہر ہے اس کے باوجود محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملِ مبارک یہ تھا کہ حجرہ میں نوافل پڑھتے تھے مسجد میں تشریف نہ لے جاتے تھے۔

نیز بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ گھر میں اکیلے پڑھنے سے نیند آجاتی ہے، اور اگر مسجد میں ہیئتِ اجتماعیہ کی شکل میں ذکر و نوافل میں لگ جائیں، اور کچھ تقاریر ہوں اور کچھ نوافل کی جماعت وغیرہ ہو تو نیند ختم ہوجاتی ہے، اس طرح سے بہت زیادہ عبادت کی توفیق ہوجاتی ہے، اگر اکیلے گھر میں نوافل وغیرہ پڑھتے تو اس کا آدھا حصہ بھی نہ کرپاتے

خوب سمجھ لیجئے کہ تکثیر عبادت یا اس کی کمیت مقصود ہی نہیں بلکہ عبادت کی کیفیت پر اس کا دار و مدار ہے۔ اگر تھوڑی دیر عبادت کرلی تو یہ اس عبادت سے لاکھوں درجہ اچھی ہے جو سنت کے خلاف ہو، سنت یہ ہے کہ جب تک طبیعت میں نشاط ہو نوافل وغیرہ میں مشغول رہے اور جب نیند کا غلبہ ہو اور طبیعت اُکتا جائے تو آرام کرلے، حدیث سے یہ ثابت ہے۔ (احسن الفتاوی ص۳۷۳ جلد اول)

نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے

باوجودیکہ مسجد نبوی ص میں ایک نماز کا ثواب ہزار نمازوں کے ثواب سے زیادہ ہوتا ہے لیکن نفل نمازوں کو گھروں میں پڑھنا مسجد نبوی میں نفل نماز پڑھنے سے افضل قرار دیا گیا ہے، کیونکہ گھروں میں پڑھی گئی نماز ریا، اور نمائش کے جذبہ سے بالکل پاک و صاف ہوتی ہے۔ (مظاہر حق جدید ص۱۹۶ ج ۲)۔

مسئلہ:۔ نوافل کی جماعت تہجد ہو یا غیر تہجد سوائے تراویح و کسوف (گہن) و استسقاء (بارش کے لیے) کے اگر چار مقتدی ہوں تو حنفیہ رح کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے خواہ جمع ہوں یا بطلب آویں، اور تین میں اختلاف ہے اور دو میں کراہت نہیں ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص۲۹۹)۔

مسئلہ:۔ اور اگر مقتدی جماعت نوافل میں چار تک ہو جائیں تو بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۱۱ و شامی ص۵۲۴ ج اول)۔

مسئلہ:۔ اگر امام صاحب (جو نماز نوافل کی جماعت کر رہے ہیں) کی صراحۃً یا کنایۃً یا اشارۃً اجازت کے بغیر لوگ شریک ہوگئے تو کراہت کے وہ شریک ہونے والے ذمہ دار ہیں؛ لیکن امام صاحب کو چاہیئے کہ مسئلہ بتاکر شریک ہونے سے روک دیں ورنہ امام صاحب کراہت کی ذمہ داری سے سبک دوش نہ ہوں گے۔ شامی میں ہے کہ نفل پڑھنے والے کی ایک دو آدمیوں نے اقتدار کی پھر دوسرے لوگ شریک ہوگئے تو علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کراہت کے ذمہ دار پیچھے آنے والے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۲۲۵ ج ۴ بحوالہ شامی ص۶۶۴ ج ۱)۔

مبارک راتوں میں مسجد کو سجانا

شبِ برات (شعبان کی پندرہویں شب) اور شبِ قدر وغیرہ میں مساجد کو مزین کرنا یا روزمرہ کی ضرورت سے زائد چراغ جلانا (زیادہ روشنی کا اہتمام کرنا جائز نہیں، اور بہت سے مفاسد اور بدعت پر مشتمل ہے۔

اوّل یہ کہ ساری خرابیوں سے قطع نظر کرلی جائے اور اُن مصالح کو بھی صحیح تسلیم کرلیا جائے جو زیادہ چراغ جلانے میں پیش کیے جاتے ہیں بلکہ یہ فرض کرلیا جائے کہ مساجد کی ایسی تزئین (یعنی سجاوٹ) فی نفسہٖ مستحب و اَولیٰ بھی ہو تب بھی خاص راتوں شبِ قدر و شبِ برات وغیرہ میں اس کا اہتمام کرنا بدعت ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ میمون سے لے کر تمام قرونِ مشہود لہا بالخیر (یعنی وہ زمانہ جس میں نیکی کرنے کی تڑپ تھی) میں اور پھر تمام ائمہ علماء دین و صلحاء کے زمانہ خیر میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اگر یہ کوئی ثواب کی چیز تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے کہ عملاً و قولاً اس کی دعوت دیتے، اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب سے زیادہ اس کے اہل تھے کہ اس کو قبول کرتے۔

اور ضرورتیں زیادہ چراغ جلانے میں اس وقت بتلائی جاتی ہیں کہ لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں یہ اُس وقت بھی موجود تھیں، اور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں تو جمع قرآن اور قرآن شریف کی کتابت کے بعد یہ ضرورت بہت زیادہ عام ہوگئی تھی، جب اُن حضرات نے اس ضرورت کو ضرورت نہ سمجھا بلکہ نفسِ اجتماع مساجد ہی سے احتراز کیا تو اب کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ اس بدعت کو سنّت بنائے یا کارِ خیر اور باعثِ ثواب ہونا ثابت کرے۔ ورنہ بقول امام مالکؒ گویا اس کا دعویٰ کرنا ہوگا کہ نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ رسالت میں خیانت کی اور جو چیزیں ثواب کی تھیں وہ اُمت کو نہ پہونچائیں۔ نیز یہ دعوے لازم آئے گا کہ ہم اُس طریقہ سے اچھا طریقہ رکھتے ہیں جو صحابہ کرام رضؓ و تابعینؒ اور سلفِ صالحین رحؒ کا تھا۔

الغرض اگر اس طرح زیادہ چراغ جلانا فی نفسہٖ بالکل جائز بلکہ مستحب بھی ہوتا جب بھی خاص راتوں کی اپنی طرف سے تخصیص کرنا اور اُن میں زیادہ زینت چراغاں کرنا بدعت و گمراہی ہوتا اور اس کا چھوڑنا ضروری ہو جاتا، جیسا کہ سلفِ صالحین رح کے اعمال و اقوال اس پر شاہد ہیں۔

کتاب الاعتصام جلد ثانی میں علامہ شاطبی علیہ الرحمہ نے ایک تعدادِ کثیر آثارِ سلف کی اس پر پیش کی ہے کہ اگر کسی حکم میں پہلے سے سنت مستحب ہونے کا بھی یقین ہو لیکن اُس پر عمل کرنے سے لوگوں کے غلو اور تعدی عن الحدود (حد سے زیادہ تجاوز) کا خطرہ ہو تو اس مستحب کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔

ابتداءِ شوال کے چھ روزے (شش عید کے) جن کی فضیلت حدیث میں منقول ہے، حضرت امام مالک رح اور حضرت امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ان کا التزام مکروہ ہے، وجہ یہی ہے کہ اس کے التزام و اہتمام سے (عوام الناس کو) جزوِ رمضان ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے۔ (الاعتصام ص ۱۷)۔

دوسرے یہ کہ شبِ برات اور شبِ قدر وغیرہ میں مساجد کے اندر اجتماع کا اہتمام والتزام، یہ خود ایک مستقل بدعت ہے جس کی مثال خیر القرون میں نہیں ملتی، کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اجتماع کوئی پسندیدہ چیز ہے بلکہ مسنون اور مستحب صرف وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ علحدہ علحدہ اس مبارک رات میں بیدار رہ کر اپنی اپنی نوافل اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہیں، اس طرح زیادہ روشنی کرنا علاوہ بدعت و ضلالت ہونے کے اور بھی بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے مثلاً (۱) فضول خرچی مال کا ضائع کرنا، اور جو ضرورت سوال میں بیان کی گئی ہے کہ لوگ جمع ہو کر قرآن مجید پڑھتے ہیں وہ خود ایک مستقل بدعت ہے کہ اس کو کیسے اسلامی ضرورت قرار دیا جا سکتا ہے اور بجلی کی روشنی کا بھی یہی حکم ہے کہ ضرورت سے زیادہ پاور کی بتی (لائٹ) استعمال کرنا یا زیادہ ضرورت سے بتیاں جلانا اضاعتِ مال اور اسراف میں داخل ہے۔

(۲) اس کثرت سے قنادیل روشن کرنا اور چراغاں کرنا ہندوؤں (غیر مسلموں) کی دیوالی کے

مشابہ ہے اس لیے بھی ممنوع ہونا چاہیئے، اور مسجد میں چراغ جلانے کی جو فضیلت آئی ہے وہ صرف مطلق چراغ جلانے کے متعلق ہے جس کا کوئی منکر نہیں۔

نیز جو "سیرتِ حلبیہ" وغیرہ میں لکھا گیا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے زیادہ قندیلیں تراویح کے لیے روشن کرا دی تھیں اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تمہاری قبر کو روشن کرے جیسا کہ تم نے ہماری مساجد کو روشن کیا"۔ یہ غلط ہے، واقعہ صحیح یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مراد ظاہری قندیلوں کا اضافہ کرنا نہیں تھا، بلکہ نورِ قرآن سے مساجد کو روشن کرنا مراد تھا۔ اس غلط روایت پر ایک بدعت کی بنیاد رکھنا سراسر بنا ر فاسد علیٰ الفاسد ہے۔

(حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں نمازِ تراویح کا باقاعدہ انتظام واہتمام فرما کر مساجد کو قرآن شریف و تراویح سے روشن و منوّر کر دیا تھا، اسی طرف آپؓ کا اشارہ تھا کہ "اللہ تعالیٰ فاروقِ اعظم رضؓ کی قبر کو روشن کرے جیسا کہ انہوں نے ہماری مساجد کو روشن کیا، رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

تنبیہ ۱۰:۔ اس بیان میں سوالات کے ہر ہر نمبر کا جواب مفصل آگیا ہے غور کر لینا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ شب برات اور شب قدر وغیرہ میں مساجد کو زیادہ مزین کرنا ایک بدعت ہے اور زیادہ روشنی کرنا اور چراغاں کی صورت اختیار کرنا دوسری بدعت۔ اور لوگوں کا اہتمام والتزام کر کے جمع ہونا تیسری بدعت۔

البتہ اگر اتفاقی طور پر کچھ لوگ مسجد میں چلے جائیں اور بغیر تداعی کے جمع ہو جائیں (یعنی بغیر بلائے) تو اس حد تک مضائقہ نہیں، جہاں تک اس اجتماع کے سنت سمجھے جانے کا خطرہ نہ ہو۔ ان بدعات کے علاوہ چراغاں کرنے میں اسراف بھی ہے اور تشبّہ بالہنود (غیر مسلموں سے مشابہت) بھی۔ اس لیے اتنے مفاسد کے ہوتے ہوئے کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ ان منکرات کو حسنات عبادات سمجھ کر مساجد میں کیا جائے اور بالخصوص اس مبارک رات میں۔ کیونکہ مبارک مکانات اور مبارک اوقات میں جس طرح عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اسی طرح بدعت و معصیت کا گناہ بھی زیادہ ہونا چاہیئے، جیسا کہ علامہ

محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں حرمین کے اندر زیادتی گناہ کی تصریح فرمائی ہے اور تمام علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ کوئی نیک کام اور نفلی عبادت جب بدعت کے ساتھ مل جائے تو اس کا بالکل چھوڑ دینا، کرنے سے زیادہ افضل ہے، جیساکہ شامی کے حوالہ سے اوپر نقل کیا گیا ہے۔ (واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم واحکم) (امداد المفتیین ص۲۱۱ جلد ثانی)۔

آتش بازی کی تاریخ

اچھی طرح سمجھ لو کہ آتشبازی اور چراغاں کرنے کی رسم جو آج ہندوستان میں رائج ہے، یہ اسلامی شعار نہیں بلکہ ہندوانہ شعار ہے۔ یہ ہندوؤں کے ایک مشہور تہوار دیوالی کی نقل ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ خلط ملط میل جول کے ساتھ جہاں بہت سی باتیں انہوں نے ہم سے سیکھیں وہیں ہم نے بھی اُن سے بہت کچھ سیکھ لیا، مگر افسوس ہے کہ انہوں نے ہم سے ہماری اچھی باتیں سیکھیں اور ہم نے اُن سے ان کی بُری باتیں۔ آتش بازی خاص ہندوانہ رسم ہے جو اسلام میں داخل ہوگئی۔ اس قول کی سب سے بڑی دلیل، سب سے بڑی حجت، یہی ہے کہ اس رسم کا وجود آج تک بھی ممالکِ اسلامیہ میں سے کسی ملک میں نہیں، دنیا کے کسی بھی خطہ میں جہاں دوچار مسلمان بھی آباد ہیں۔ ہاں اگر ہے تو فقط برِّ صغیر میں یا سرزمین فارس میں، جو کسی وقت آتش پرستوں کا مرکز رہ چکا ہے۔ (فضائل الایام والشہور ص۴۲۱)۔

شب برات میں چراغاں اور آتش بازی و لہو ولعب کے لیے جمع ہوتے ہیں یعنی کرتے ہیں، یہ سب نہایت قبیح بدعت ہے کہ اس کی اصل نہ کسی معتبر کتاب میں ہے نہ غیر معتبر کتاب میں کوئی ضعیف (کمزور) یا موضوع حدیث بھی اس بارہ میں مروی نہیں ہے اور بلادِ ہند کے سوا حرمین شریفین میں اس کا رواج ہے، نہ دوسرے ممالک کے کسی شہر میں۔ اس کو ہندوؤں کی دیوالی سے لیا ہے اس لیے کہ مسلمانوں نے ہند کی کافرہ عورتوں سے شادیاں کیں اور باندیاں بنایا، یہ رسم ان کی مسلمانوں میں رائج اور شائع ہوگئی۔ (الجواہر الزواہر ص۲۵۳)۔

برامکہ ایک قوم آتش پرست گذری ہے جو کہ مسلمان ہوگئی تھی، مگر آتش پرستی کے اثرات پھر بھی اُن کی زندگی میں نمایاں تھے۔ اس وجہ سے اس موقع پر وہ لوگ خاص طور پر روشنی کا اہتمام کافی حد تک کرتے تھے۔ خلیفہ ہارون رشید عباسی اور اس کے بیٹے مامون رشید عباسی کے دورِ خلافت میں برامکہ کو عروج حاصل تھا۔ اس قوم برامکہ میں یحییٰ برمکی، محمد خالد برمکی، جعفر برمکی کو خاص عہدے خلفائے بنو عباس نے عطا کیے تھے جس کی وجہ سے اُن کو اس شب (شبِ برات) میں اس کے منکرات کا اہلِ اسلام میں رواج دینے کا موقع ملا جس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوئے۔

چناں چہ علمائے اسلام نے برابر اس منکر کی روک تھام کی، اس کو خلافِ شرع قرار دیا۔ مسلمانوں کا لاکھوں روپیہ ہر سال بے محل ہی نہیں بلکہ ایک ناجائز اور حرام کام میں صَرف ہوتا ہے۔ (حقیقتِ شبِ برات ص ۴۶)۔

آتش بازی کا حکم

منجملہ ان رسومات کے آتش بازی ہے، اس میں بھی متعدد خرابیاں جمع ہیں:۔

(۱) مال کا ضائع کرنا، جس کا حرام ہونا قرآن مجید میں منصوص ہے۔

(۲) اپنی جان کو یا اپنے بچوں کو یا پاس پڑوس والوں کو خطرہ میں ڈالنا۔ کافی واقعات ایسے ہو چکے ہیں جن میں آتش بازی کرنے والوں کا ہاتھ اڑ گیا، منھ جل گیا یا کسی کے چھپّر (گھر وغیرہ) میں آگ لگ گئی، جس کی حرمت (حرام ہونا) قرآن شریف میں موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔ (پارہ سیقول سورہ بقرہ)۔ یعنی "مت ڈالو اپنی جانوں کو ہلاکت میں"۔

اسی لیے حدیث شریف میں بلا ضرورت آگ سے تلبس (خلط ملط) قرب سے ممانعت آئی ہے، چناں چہ کھلی آگ اور جلتا ہوا چراغ چھوڑ کر سونے کو منع فرمایا ہے۔

(۳) بعض آتش بازی میں کاغذ بھی صَرف ہوتا ہے جو آلاتِ علم سے ہے اور آلاتِ علم کی (جو چیز علم کے لیے استعمال ہو) بے ادبی خود اَمرِ قبیح (برا کام) ہے۔ پھر غضب یہ ہے کہ لکھے ہوئے کاغذ بھی استعمال ہوتے ہیں خواہ اس پر کچھ ہی لکھا ہو کیوں کہ

آتش بازی بنانے والے اکثر جاہل اور غیر مسلم بھی ہوتے ہیں) قرآن یا حدیث لکھے ہوں۔
چناں چہ مجھ سے (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ایک معتبر شخص نے بیان کیا کہ میں نے کاغذ کے بنے ہوئے کھیل دیکھے، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ورق ہیں۔

(۴)۔ بچوں کو ابتدا ہی سے تعلیم معصیت (گناہ) کی ہوتی ہے، جن کے واسطے حکم ہے کہ ان کو علم وعمل سکھاؤ۔ گویا نعوذ باللہ حکم شرعی کا پورا مقابلہ ہے۔ بالخصوص شب برات میں یہ خرافات کرنا، جو کہ نہایت متبرک شب ہے۔ یہ بات مقرر ہے کہ متبرک اوقات میں جس طرح طاعت (عبادت) کرنے سے اجر بڑھتا ہے، اسی طرح معصیت کرنے سے گناہ بھی زائد ہوتا ہے۔ (اصلاح الرسوم ص۱۹)۔

یاجوج ماجوج کی مشابہت

بعض آلات آتش بازی کے اُوپر کو چھوڑے جاتے ہیں جیسے بیل اور اُڑن انار وغیرہ اوّل تو یہ بعضوں کے سر پر آکر گرتے ہیں اور لوگوں کے چوٹ لگتی ہے، علاوہ اس کے آتش بازی میں یاجوج ماجوج کی مشابہت ہے، جس طرح وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے، اور کفّار کی مشابہت حرام ہے۔

بعض حضرات (اس کے جواز کے لیے) فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایام حج میں تو توپیں چھوڑی جاتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آتش بازی درست ہے ورنہ وہاں ایسا کیوں ہوتا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو عوام لشکریوں کا فعل، شرع میں حجّت نہیں، البتّہ عالم محقق دین دار کا فتویٰ جو مطابق قواعدِ شرعیہ کے ہو حجّت ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ توپیں چلانا لشکریوں کا فعل ہے نہ کسی عالم کا فتویٰ۔ دوسرے اس میں کچھ مصالح بھی نکل سکتے ہیں۔ اظہارِ شوکتِ اسلام و تعظیم شعائر حج و اعلانِ ارکان وغیرہا۔ اور آتش بازی میں کون سی شوکت ہے؟

البتہ اگر کسی مقام پر ضروری اَمر کے اعلان کی اصطلاح ٹھہرالی جائے تو بقدرِ ضرورت جائز ہوگی جیسے وقتِ افطار و سحر کے اعلان کے لیے ایک آدھ گولہ چھوڑ دینا

اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اس کی ضرورت سے زائد ہوگا تو وہ بھی ممنوع ہوگا (اصلاح الرسوم صد ۲۰)۔

آتش بازی کے نقصانات

لوگوں نے اس شب میں برکات کو چھوڑ کر بے ہودہ حرکات اختیار کر رکھی ہیں چنانچہ آتش بازی ایسی بُری حرکت ہے کہ نام ہی میں اس کے منکر ہونے کا اقرار ہے نام بھی ایسا تجویز کیا گیا کہ جس میں آتش بھی ہے اور بازی بھی ہے، نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خطرہ کی چیز ہے اور لہو ولعب ہے۔ ذرا دیکھئے تو آگ سے تلبس (کھیلنا) کوئی اچھی بات ہے؟

حدیث شریف میں تو یہاں تک ارشاد فرمایا گیا کہ سوتے وقت چراغ کو گُل کردو (بجھادو) جو عادۃً دُور ہی رکھا جاتا ہے مگر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی جلتا ہوا چھوڑنا پسند نہیں فرمایا کیونکہ خطرہ سے خالی نہیں (آگ لگ سکتی ہے) اور اس کے متعلق واقعات ہو بھی گئے ہیں، پھر آگ سے اپنے کو قریب کرنے کی ممانعت کیوں نہ ہوگی، واقعی بڑی خطرہ کی چیز ہے۔ آتش بازی کی بدولت ہر سال بہت سے واقعات پیش آتے ہیں کہ کسی کا ہاتھ جل گیا کسی کی جان جاتی رہی، کسی کا مکان خاک سیاہ ہو گیا۔ اور اگر فرض کرلو کہ کچھ بھی نہ ہو تو مال کا نقصان اور ضائع کرنا تو ہے۔

اور زیادہ تعجب تو ان بڑے بوڑھوں بے عقلوں پر ہے جن کے دلوں میں تو یہ ہوتا ہے کہ ہم خود تماشہ دیکھیں مگر چونکہ وقار کے خلاف ہے اس لیے بچوں کو آڑ بناتے ہیں اور عذر یہ کرتے ہیں کہ بچے نہیں مانتے۔ اگر بچے ضد ہی کرتے ہوں تب بھی یہ عذر قابلِ قبول نہیں، دیکھو! اگر تمہارا بچہ باغیوں میں شامل ہو کر گولہ باری کرنے لگے تو کیا تم اس کو نہیں روکو گے؟ اگر نہ مانے گا تو جبراً روکو گے اسی طرح یہاں کیوں نہیں کرتے ہو؟ بچے اگر ضد کر کے سانپ مانگنے لگیں (یا اور کوئی مضر چیز) تو کیا دے دو گے؟ پھر جس کو خدا اور رسول ؐ نے مضر نقصان دہ بتایا ہے، کیا وجہ ہے کہ اس کی

عادت ڈالی جاتی ہے ؟

اس سے معلوم ہوا کہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں (نعوذ باللہ)۔ حالانکہ مال و دولت تمہارا کہاں ہے، سب خدا ہی کی ملکیت ہے، تم محض خزانچی ہو، تمہارے ہاتھ میں تو تحویل ہے، تم ایسے ہو جیسے غلام ہوتا ہے مالک صرف اللہ تعالیٰ ہیں "وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (اور اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک ہے۔

ہم کو یہ اجازت نہیں کہ اس کو جیسے چاہیں خرچ کریں، خدا کا مال ہے اس کی بابت قیامت میں سوال ہوگا کہ تم نے کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا، لہٰذا بچوں کو آتش بازی (برے یا غلط قسم کے کاموں) کے لیے پیسے دینا شرعاً حرام ہے، تو تم دینے والے کون ہو؟ ہرگز مت دو، اور ضد کرنے پر سزا دو، اور کھیل تماشہ اور غلط جگہ میں بھی ان کو مت کھڑا ہونے دو۔ (التبلیغ ص۲۴۳ جلد ۸)۔

شب برات میں قبرستان جانے کا ثبوت

اس شب مبارک میں ایک عمل یہ مذکور ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان (بقیع) میں تشریف لے گئے اور اُن اصحابِ قبور کے لیے دعاء فرمائی جس سے اس عمل کا مسنون ہونا معلوم ہوا، اور حضرات علماء کرام نے اس کو مسنون فرمایا اور جو اس سے زائد امور داخل کیے گئے وہ تمام بدعات و مکروہات ہیں۔ مثلاً اجتماعاً قبرستان میں جا کر ایصالِ ثواب کرنا اور کسی قسم کا اہتمام مثلاً روشنی کا اہتمام کرنا جس سے تمام قبرستان کو روشن کیا جائے، کھانے وغیرہ کا اہتمام کرنا بلکہ صرف کسی بھی قبرستان میں جا کر بلا کسی قسم کے اہتمام و فضولیات کے انفرادی طور پر جا کر دعائے مغفرت و ایصالِ ثواب کر کے جلد واپس آجائے اور دوسری عبادات میں مشغول ہو جائے۔ بس اس قدر کام سنت کے مطابق ہوگا۔ یہ ہے مطابقِ سنت عمل، پھر کیوں بلا وجہ زائد امور کو شامل کر کے خلافِ سنت رواج دیا جائے۔ (حقیقت شب برات ص۵۲)۔

قبروں کی زیارت کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، اگرچہ

کیا عورت زیارتِ قبور کر سکتی ہے؟

عورت زیارت کرے، اس حدیث کی وجہ سے جس میں ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب سُن لو کہ قبروں کی زیارت کیا کرو۔"

شارح رح نے کہا ہے کہ عورتوں کو زیارتِ قبور کے لیے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے یعنی خلافِ اولیٰ ہے۔ تفصیل یہ کی ہے کہ اگر عورتیں قبروں پر اس لیے جائیں کہ غم تازہ ہو اور قبروں پر رونا پیٹنا کریں تو اس صورت میں زیارتِ قبور ہرگز جائز نہیں۔ اور جس حدیث شریف میں زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے۔ اس سے اسی طرح کی عورتیں مراد ہیں، اور اگر عورتیں قبروں پر اس لیے جائیں کہ عبرت حاصل کریں اور صلحاء کی قبروں پر بطور تبرک جائیں اور عورتیں بوڑھی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر جوان ہوں تو ان کے لیے زیارتِ قبور مکروہ ہے، البتہ مُردوں کے واسطے زیارتِ قبر مستحب ہے۔ (در مختار ص ۸۷۹ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ عورتوں کے لیئے (خواہ جوان ہوں) صرف نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ کی زیارت تو جائز ہے لیکن اس کے علاوہ دوسری قبروں پر جانا درست نہیں ہے۔ (مظاہر حق جدید ص ۴۷۶ جلد ۲)۔

عورتوں کو قبرستان جانے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہ قبرستان جا کر کلماتِ ناشائستہ کہتی ہیں، تو زیارتِ قبر سے جو اُن کو بہتری ہوئی وہ بدی سے کمتر ہے۔ علاوہ ازیں اثنائے راہ میں پردہ کا کھولنا اور زینت کا غیروں پر ظاہر کرنا بھی ان سے سرزد ہوتا ہے اور یہ دونوں بڑے گناہ ہیں اور زیارت صرف مسنون ہے تو ادائے سنت کے لیے ایسے بڑے گناہ کا مرتکب ہونا کیسے جائز ہوگا۔ ہاں اگر عورت پرانے کپڑے پہن کر یعنی بغیر زیب و زینت کے جائے کہ کوئی مرد اس کی طرف توجہ نہ کرے اور قبر پر جا کر صرف دعاء مغفرت و ایصالِ ثواب کرے اور کوئی بات (غیر شرعی) نہ کرے

تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (احیاء العلوم صـ۷۹۱ ج ۴)۔

مسئلہ:۔ بعض فقہاء نے عورتوں کو قبر پر جانے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ رونا پیٹنا نہ ہو، لیکن احوط نہ جانا ہی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۴۳۲ ج ۵)۔

کیا میّت کی رُوح گھر میں آتی ہے؟

سُوال:۔ میت کی روح مکان میں آتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں آتی تو خواب میں کیوں نظر آتی ہے؟

جواب:۔ خواب میں کسی میت کا نظر آنا اس کو مقتضی نہیں ہے کہ اس کی روح مکان میں آئے بلکہ خواب میں نظر آنا بسبب تعلق روحانیت کے ہے مکان سے اس کو کچھ تعلق آنے کا نہیں، بہت سے زندہ لوگوں کو جو دُور دراز پر ہیں، خواب میں دیکھا جاتا ہے، پس خواب کا قصہ جُدا ہے۔ اجسامِ ظاہری کا اِتصال اس کے لیے ضروری نہیں ہے، عالمِ اَرواح دوسرا عالم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صفحہ ۴۶۰ جلد ۵)۔

مسئلہ:۔ روح مکان پر نہیں آتی، اس کا کچھ ثبوت نہیں ہے، ایسا خیال اور عقیدہ نہ رکھے۔ (فتاویٰ دارالعلوم صـ۴۳۹ ج ۵)۔

مسئلہ:۔ اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں کہ جمعرات کو روح اپنے اقرباء کے گھر آتی ہے اور ثواب کی امیدوار ہوتی ہے اور جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس ہوتی ہے، یہ کچھ تحقیقی بات نہیں ہے۔ (یعنی ایسا نہیں ہوتا ہے)۔ (فتاوے دارالعلوم صـ۴۶۹ جلد ۵)۔

مسئلہ:۔ اور بزرگوں کی ارواح کے آنے پر کوئی قوی دلیل نہیں، جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ صـ۸۲ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ اَرواحِ مؤمنین کا شبِ جمعہ وغیرہ کو اپنے گھر آنا کہیں ثابت نہیں ہوا، یہ روایات واہیہ (غلط) ہیں۔ اس پر عقیدہ کرنا ہرگز نہیں چاہیے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل صـ۲۶۹)۔

قبرستان جانے کے آداب و احکام

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائِ اسلام میں قبروں پر جانے سے منع فرما دیا تھا کیونکہ زمانۂ جاہلیت قریب تھا، اس لیے یہ اندیشہ ہوا کہ شاید لوگ قبروں پر جاکر کفر و شرک کی باتیں نہ کرنے لگیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا کہ اسلام نے دلوں میں رسوخ حاصل کر لیا ہے تو آپ نے زیارتِ قبور کی اجازت مرحمت فرما دی، لہٰذا تمام علماء کے نزدیک قبروں کی زیارت مستحب ہے کیونکہ قبروں پر جانے سے دل میں نرمی آتی ہے، موت یاد آتی ہے اور دل و دماغ اس عقیدہ پر پختہ ہوتے ہیں کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس عالم کے علاوہ ایک اور عالم ہے جہاں جانا ہے اور وہاں جاکر اس عالم کے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے، اس کے علاوہ بہت سے فائدے ہیں، پھر سب سے بہتر فائدہ یہ بھی ہے کہ قبروں پر جانے سے مُردوں کے لیے رحمت و مغفرت کی دعاء کا موقع ملتا ہے جو سنت ہے چنانچہ منقول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع (قبرستان) تشریف لے جاتے اور وہاں کے مردوں پر سلام پیش فرماتے، نیز ان کے لیے دعائے مغفرت فرماتے۔

قبروں پر جانے کے کچھ آداب و احکام ہیں جو شریعت نے بتائے ہیں، مثلاً:-

(۱) جب کوئی شخص دعائے مغفرت و ایصالِ ثواب کی خاطر قبر پر جائے تو وہاں صاحبِ قبر کے مُنہ کے سامنے اس طرح کھڑا ہو کہ مُنہ تو قبر کی طرف اور پشت قبلہ کی طرف ہو۔

(۲) قبر پر پہونچ کر صاحبِ قبر کو سلام پیش کرے۔

(۳) قبر کو ہاتھ (تعظیماً) نہ لگائے۔

(۴) قبر کو چُومے نہیں۔

(۵) قبر کے سامنے تعظیماً نہ جُھکے اور نہ قبر کو سجدہ کرے۔

(۶) قبر کی مٹّی مُنہ پر نہ ملے، کہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔

ان احکام و آداب کے علاوہ ایسی چیزیں اختیار کرنا جن کا شریعت میں

کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ انتہائی گمراہی اور ضلالت کی بات ہے۔

قبر کے پاس قرآن پاک کی تلاوت مکروہ نہیں ہے۔ اور دوسرے دنوں کی بہ نسبت جمعہ کے روز خصوصاً دن کے ابتدائی حصہ میں قبر پر جانا افضل ہے۔ نیز منقول ہے کہ دوسرے دنوں کی بہ نسبت جمعہ کے روز میّت کو زیادہ ادراک دیا جاتا ہے اور جمعہ کے روز اپنی قبر پر آنے والوں کو دوسرے دنوں کی بہ نسبت زیادہ پہچانتا ہے (مظاہرِ حق جدید صفحہ ۷۶۴ جلد ۲)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے کہ:-

"اگر میں آگ پر چلوں یا تلوار کی تیز دھار پر اپنا پیر رکھ دوں جس کے نتیجے میں پیر جل، کٹ جائے تو میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے، بہ نسبت اس چیز کے کہ میں کسی شخص کی قبر پر چلوں، اور میرے نزدیک قبروں پر پیشاب کرنے اور بھرے بازار میں لوگوں کی نظروں کے سامنے پیشاب کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔" (مظاہرِ حق جدید ص۷۸۲ ج۲)۔

قبرستان میں جانے کا مسنون طریقہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ۔ (ترمذی شریف)۔

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قبرستان سے گذرے تو آپؐ قبروں کی طرف روئے مبارک کرکے متوجہ ہوئے اور فرمایا:- "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَاَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ" (اے قبروالو! تمہاری خدمت میں سلام پیش ہے، اللہ تعالیٰ ہماری تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے پہلے پہنچے ہوئے ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے والے ہیں)۔

تشریح: حدیث شریف کے الفاظ "آپؐ قبروں کی طرف اپنا روئے مبارک

کر کے متوجہ ہوئے۔" میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی مسلمان اہلِ قبور پر سلام پیش کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ اس کا منہ میّت کے منہ کے سامنے ہو، اسی طرح جب دعائے مغفرت وغیرہ کے لیے قبر کے پاس کھڑا ہو تو اپنا منہ میت کے سامنے رکھے، چناں چہ علماء و مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مسلک ہے اور اسی کے مطابق تمام مسلمانوں کا عمل ہے۔

مرزا مظہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی میّت کی زیارت اس کی زندگی کی ملاقات کی طرح ہے، لہٰذا جس طرح کسی شخص کی زندگی میں اس سے ملاقات کے وقت اپنا منہ اس کے منہ کی طرف متوجہ رکھا جاتا ہے اسی طرح اس کے مرنے کے بعد اس کی میّت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی اپنا منہ اس کے منہ کے سامنے رکھا جائے، پھر یہ کہ کسی بھی میّت کے سامنے وہی طریقہ و آداب ملحوظ رہنے چاہئیں جو اس کی زندگی میں اُٹھنے بیٹھنے کے وقت ملحوظ ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کی ملاقات کے وقت جو اپنے کمالات و فضائل کی بنا پر عظیم المرتبت و رفیع القدر تھا، ادب و احترام کے پیشِ نظر اس کے بالکل قریب نہیں بیٹھتا تھا بلکہ اس سے کچھ فاصلہ پر بیٹھتا تھا تو بس اب بھی اس کی میّت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی وہ فاصلہ سے کھڑا رہے یا بیٹھے۔ اور اگر اس کی زندگی میں بوقتِ ملاقات اس کے قریب بیٹھتا تھا تو جب اس کی میّت یا قبر کی زیارت کرے تو اس کے قریب ہی کھڑا ہو یا بیٹھے۔"

جب کسی قبر کی زیارت کی جائے تو اس وقت سورۂ فاتحہ الحمد شریف اور سورۂ قل ہو اللہ احد (کم از کم) تین مرتبہ پڑھے اور اس کا ثواب میّت کو پہونچا کر اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ (مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف صـ۴۸ ج ۲)۔

کیا مُردے زیارت کرنے والے کو پہچانتے ہیں؟

اس بات پر سب أسلاف کا اتفاق ہے کہ مُردے زیارت کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور ان سے خوش ہوتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر پر جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب قبر اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے جب تک کہ وہ وہاں سے اُٹھ کر نہ آجائے۔ (کتاب الروح ص۳۷ بحوالہ ابن ابی الدنیا در کتاب القبور)

(اس قسم کی بہت سی احادیث آئی ہیں اور اس پر آج کل کوئی شبہ باقی نہیں رہا ہے کہ قبر میں سے کیسے دیکھ سکتا ہے؟ کیونکہ یہ تو عالم بالا کا معاملہ ہے جب کہ اس عالم میں ایسے ایسے آلات موجود ہیں۔ زمین پر رکھنے سے ہزاروں فیٹ کی گہرائی کے معدنیات وخزائن تیل، پیٹرول، سونا، چاندی وغیرہ معلوم ہوجاتے ہیں اور ایکسرہ مشین تو عام ہو چکی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ احقر محمد رفعت قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند)۔

ایصالِ ثواب کے چند ضروری مسائل

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب تم قبرستان جاؤ تو وہاں سورۂ فاتحہ (الحمد شریف)، معوذتین (قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق) اور قل ہو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب اہلِ قبرستان کو پہونچاؤ جو انھیں پہونچ جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "جو شخص قبرستان جائے اور وہاں قل ہو اللہ احد گیارہ مرتبہ پڑھ کر اس کا ثواب اہل قبرستان کو بخشے تو اسے قبرستان میں مدفون مُردوں کی تعداد کے بقدر ثواب ملتا ہے"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص قبرستان جائے اور وہاں (بغرض ایصالِ ثواب) سورۂ یٰسٓ تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اہل قبرستان کے عذاب میں کمی کرتا ہے اور اس شخص کو قبرستان میں مدفون مُردوں کی تعداد کے بقدر نیکیاں دی جاتی ہیں (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ شریف ص۴۴۹ ج۲)

(اگر مندرجہ بالا سورتیں یاد نہ ہوں تو جو بھی سورتیں یاد ہوں اور جتنا بھی پڑھ سکے ثواب پہونچا دے، اگر بالکل ہی جاہل ہے تو زبان سے ان کے درجات اور مغفرت کی

دعار کرے۔ یا صدقہ وخیرات کر کے ان کے لیے ایصالِ ثواب کرے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ مُردہ مثل ڈوبے ہوئے فریاد خواہ کے ہے، دعار کا منتظر رہتا ہے کہ باپ یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہونچے، اور جب دعار اس کی جانب سے پہونچتی ہے تو اس کے نزدیک دنیا وما فیہا سے محبوب تر ہوتی ہے اور زندوں کے تحفے مُردوں کے لیے دعار اور مغفرت کی درخواست ہیں۔ (احیار العلوم ص۹۴۷ جلد ۴ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ مدرس دار العلوم دیوبند)

مسئلہ:۔ رات کے وقت قبروں کی زیارت کرنا یعنی مُردوں کے لیے کچھ (قرآن مجید کی کوئی سورت) پڑھ کر بخشنا جائز ہے (فتاویٰ دار العلوم ص۴۵۳ جلد ۵ بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص۱۵۴ ج۱)۔

مسئلہ:۔ مردہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ ثواب فلاں کی طرف سے ہے (اگر قبرستان کے علاوہ کسی اور جگہ سے ایصالِ ثواب کیا جائے) اور کہنے والا فرشتہ ہوتا ہے۔ (فتاوے دار العلوم ص۴۲۶ ج۵)

مسئلہ:۔ مُردوں کو ثواب صدقات وقرآن شریف کا پہنچنا اور مُردوں کو زندہ لوگوں کی دعار واستغفار سے نفع پہنچنا نصوص قرآنی اور احادیث نبویؐ سے ثابت ہے، انکا اس کا جہل اور معصیت اور خرق اجماع ہے، البتہ ایصال ثواب کے لیے شریعت میں کوئی دن مقرر نہیں ہے لہٰذا چہلم وبرسی اور عرس وفاتحہ خوانی مروّجہ یہ سب رسوم خلافِ شریعت ہیں اور قبروں سے استمداد (مدد چاہنا) اور منّت اور طلب مراد سب ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی کا کوئی تصرف اور اختیار نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۴۴۷ ج۵)۔

مسئلہ:۔ مشروع یہ ہے کہ زیارتِ قبور کے وقت سنّت کے مطابق سلام کرے اور اہلِ قبور کے لیے دعار مغفرت کرے، اور اگر کچھ پڑھ کر ان کی ارواح کو ثواب پہونچائے تو بہت اچھا ہے، اور اگر اپنے لیے کچھ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ سے کرے کہ مثلاً اس طرح سے کہ یا اللہ ان کی برکت سے میری حاجت پوری فرما ان

بزرگوں (اہلِ قبور) سے یہ نہ کہے کہ تم دعاء کرو۔ آیاتِ قرآنیہ اس پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا اس طرح ان سے خطاب کر کے نہ کہے کہ تم دعاء کرو، بلکہ خود اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بھی دعاء مغفرت اور بلند درجات کی دعاء کرے۔ اور اگر ان کے وسیلہ سے اپنی حاجات کے پورا ہونے کے لیے بھی دعاء کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حصن حصین میں مذکور ہے کہ صالحین کے وسیلہ سے دعاء کرنا مستحب ہے کہ حق تعالیٰ ان کی برکت سے دعاء قبول فرمائے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۴۴۲ ج ۵۔ بحوالہ حصن حصین ص۱۸)۔

مسئلہ:۔ مُردہ کو ثواب پہونچانے کے وقت اگرچہ نیت کا ہونا کافی ہے لیکن اگر زبان سے کہا جائے تو اس طرح سے کہا جائے کہ یا اللہ اس عمل کا ثواب فلاں کو پہنچا دے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۴۵۱ ج ۵ بحوالہ رد المحتار ص۸۴۴ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ ایصالِ ثواب کرنے میں فلاں ابن فلاں کہنا مناسب ہے لیکن اگر باپ کا نام معلوم نہ ہو تو صرف اسی کا نام لینا کافی ہے، نیت میں جو کچھ ہے اللہ کو معلوم ہے۔ اگر باپ کا نام معلوم نہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۴۲۱ ج ۵)

مسئلہ:۔ ایک وقت میں اگر چند اموات کو ثواب پہنچا دے تو سب کو پہونچتا ہے لیکن اول وہ ثواب ایک میت کو پہونچا دیا تو پھر دوسرے وقت اسی صدقہ و کلام مجید کا ثواب دوسری میت کو نہیں پہونچ سکتا کیونکہ وہ ثواب اول میت کو پہنچ گیا۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۴۱۹ ج ۵ بحوالہ رد المحتار ص۸۴۴ ج ۱)۔

مسئلہ:۔ اگر قرآن شریف کا ثواب چند کو کیا تو کیا تقسیم ہو کر پہونچتا ہے یا سب کو پورا پورا پہونچے گا؟ اس میں فقہاء کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ ہر ایک میت کو پورا پورا ثواب پہونچتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ تقسیم ہو کر پہونچتا ہے۔ اور اس دوسرے قول کو موافق قیاس کے لکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعید نہیں ہے کہ ہر ایک کو پورا پورا ثواب پہونچے (فتاویٰ دار العلوم ص۴۴۹ ج ۵) (اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید یہی ہے کہ ہر ایک کو پورا پورا ثواب پہونچا دے، اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آتی، یہ تو صرف بندہ کی نیت پر دارومدار ہے کہ اللہ سے جیسا گمان رکھے گا ایسا ہی پائے گا۔ انشاء اللہ، محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)۔

مسئلہ:۔ قرآن شریف کا ثواب میت کو تو ملے گا ہی، باقی اس وجہ سے کہ پڑھنے والے نے ایک نیک کام کیا اس کا بدلہ دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کو مل سکتا ہے، اخلاص شرط ہے، بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط (پارہ ۲۳ سورۃ الزمر)۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ (پارہ ۸ سورۃ الانعام)۔ (فتاویٰ دار العلوم ص۲۴۱ ج ۵)۔

مسئلہ:۔ قبرستان میں قرآن شریف کا زور سے یعنی بلند آواز سے اور آہستہ دیکھ کر اور حفظ سب طرح پڑھنا درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص۲۶۶)۔

مسئلہ:۔ ثواب پہونچانے کے لیے ہاتھ اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی ہو تو قبروں کی طرف پُشت کر لینی چاہیے (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص۲۶۷)۔

(کیونکہ عوام کو دھوکہ ہو سکتا ہے کہ اہل قبور سے مانگ رہے ہیں، صاحبِ قبر کے وسیلہ سے دعا تو مانگنا جائز ہے لیکن جو مانگنا ہے اللہ ہی سے مانگنا چاہیئے احقر محمد رفعت قاسمی عفا اللہ عنہ)۔

شبِ برات کی رسومات

منجملہ رسومات کے شبِ برات کا حلوہ، اور عید کی سویّاں، عاشورۂ محرّم (دس محرّم) کا کھچڑا اور شربت وغیرہ ہے۔

شبِ برات میں حدیث سے اس قدر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت البقیع (قبرستان) میں تشریف لے گئے اور مُردوں کے لیے دعاءِ مغفرت فرمائی، اس سے آگے سب لوگوں کی ایجاد ہے، جس میں مفاسدِ کثیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔

(۱)۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک (یعنی دانت) جب شہید ہوا تھا، تو آپؐ نے حلوہ نوش فرمایا تھا، یہ بالکل مَن گھڑت اور غلط قصہ ہے، اس کا اعتقاد کرنا ہرگز جائز نہیں، بلکہ عقلاً بھی ممکن نہیں۔ اس لیے کہ یہ واقعہ ماہِ شوّال میں ہوا تھا نہ کہ ماہِ شعبان میں۔

(۲)۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں (شبِ براَت کا حلوہ جائز کرنے کے لیے) کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ان دنوں میں ہوئی تھی، یہ ان کی فاتحہ ہے۔ یہ بھی محض بے اصل اور غلط ہے۔ اول تو تعیینِ تاریخ کی ضرورت نہیں۔ دوسرے خود یہ واقعہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ حضرت حمزہ رضؓ کی شہادت بھی شوّال ہی میں ہوئی تھی، شعبان میں نہیں ہوئی۔

(۳)۔ بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شبِ برات وغیرہ میں مُردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ کس نے ہمارے لیے کچھ پکایا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے یہ بات بھی بغیر نقلی دلیل کے ثابت نہیں ہوسکتی، اور یہاں کوئی دلیل نہیں ہے۔

(کسی بھی مسئلہ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے لیے قرآن واحادیث سے معلوم کرنا لازمی ہے تو قرآن شریف اور احادیث شریف میں اس قسم کی کوئی دلیل موجود نہیں کہ مرنے کے بعد روح اس دنیا میں آکر دیکھتی ہے۔ البتہ نہ آنے پر دلائل کافی موجود ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص۲۵ ج۱)۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

(۴)۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب شبِ برات سے پہلے کوئی مرجائے تو جب تک کہ اس کے لیے شبِ برات میں فاتحہ نہ کی جائے وہ مُردوں میں شامل نہیں ہوتا، یہ محض بے اصل بات ہے، خود ساختہ اور بالکل لغو ہے، بلکہ یہ بھی رواج ہے کہ اگر تہوار سے پہلے کوئی مرجائے تو کنبہ بھر (مرحوم کے خاندان یا متعلقین) میں پہلا تہوار نہیں ہوتا، یعنی نہیں مناتے۔ حدیثوں میں صاف مذکور ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو مرتے ہی اپنے جیسے لوگوں میں پہونچتا ہے، یہ نہیں کہ شبِ برات تک اٹکا رہتا ہے۔

(۵)۔ بعض لوگ شبِ برات کو حلوے کی ایسی پابندی کرتے ہیں کہ بغیر اس کے سمجھتے ہیں ہوئی ہی نہیں۔ اس پابندی میں اکثر فسادِ عقیدہ بھی ہوجاتا ہے کہ اس کو ضروری سمجھنے لگتے ہیں، فسادِ عمل بھی ہوجاتا ہے۔ فرائض و واجبات سے زیادہ اس کا اہتمام کرنے لگتے ہیں۔ ان خرابیوں کے علاوہ تجربہ سے ایک بات ثابت ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ نیت بھی فاسد ہوجاتی ہے۔ ثواب وغیرہ مقصود نہیں رہتا ہے، خیال ہوجاتا ہے

کہ اگر اَب کی مرتبہ نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ اس مرتبہ خِسّت اور ناداری نے گھیر لیا ہے، اس الزام کے دور کرنے کے لیے جس طرح بن پڑتا ہے ضرور کرتا ہے۔ ایسی نیت سے صَرف کرنا محض اسراف اور تفاخر ہے جس کا گناہ ہونا بارہا مذکور ہو چکا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے لیے سُودی قرض لینا پڑتا ہے۔ یہ الگ گناہ ہے۔

(۶)۔ جو لوگ اعانت و مَدَد کے مستحق ہیں ان کو کوئی بھی نہیں دیتا یا کم درجہ کا کھانا پکا کر ان کو دیا جاتا ہے، اکثر مالداروں اور برادری کے لوگوں کو بطور معاوضہ کے دیتے لیتے ہیں اور نیت اس میں یہی ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے ہمارے گھر بھیجا ہے، اگر ہم نہ بھیجیں گے تو وہ کیا کہے گا غرض کہ اس میں بھی وہی ریا (دکھلاوا) و تفاخر ہو جاتا ہے۔

(۷)۔ بعض لوگ اس تاریخ (شعبان کی پندرہویں) میں مسور کی دال ضرور پکاتے ہیں اس ایجاد کی وجہ آج تک معلوم نہیں ہوئی لیکن اس قدر ظاہر ہے کہ اس کو ضروری سمجھنا بلاشک معصیت (گناہ) ہے، یہ تو کھانا پکانے میں ایجاد کرتے ہیں۔

(۸)۔ ایک زیادتی اس رات میں یہ کی گئی ہے کہ بعض لوگ شب بیداری کے لیے فرائض سے زیادہ اس میں لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہر چند کہ اجتماع سے رات میں جاگنا آسان ہو جاتا ہے مگر نفل عبادت کے لیے لوگوں کو ایسے اہتمام سے بلانا اور جمع کرنا، یہ خود خلافِ شریعت ہے، البتہ اتفاقاً اگر کچھ لوگ جمع ہو گئے تو اس میں مضائقہ نہیں۔

(۹)۔ بعض لوگوں نے اس (شعبان کی پندرہویں تاریخ) میں برتنوں کا بدلنا اور گھر کا لیپنا (کلی چونا، رنگ و روغن وغیرہ) اور خود اس شب میں چراغوں کا زیادہ روشن کرنا وغیرہ بدعت کر لی ہے یہ بالکل کفّار کی نقل ہے اور حدیث تشبُّہ سے حرام ہے۔

(اصلاح الرسوم صفحہ ۱۳۴ از حضرت تھانوی رح)۔

(ہندوستان میں غیر مسلم اپنے تہوار دیوالی پر نئے برتن خریدتے ہیں اور چراغاں بھی کرتے ہیں، ان کے اعتقاد کے مطابق ایسا کرنے سے ان کی دیوی خوش ہوتی ہے ان کی یہ مذہبی رسم بعض مسلمانوں نے بھی اپنا لی ہے، جو کہ غلط اور حرام ہے اس کو بالکل ترک کر دینا چاہیئے۔ اللھم احفظنا۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

مسئلہ :- اسی طرح یہ مشہور ہے کہ شبِ برات کے حلوہ سے اگر پہلا روزہ افطار کیا جائے تو بہت ثواب ہے، یہ بالکل غلط ہے۔ (اَغلاط العوام مکمل ص۲۴۱)۔

شبِ برات میں حلوہ پکانا و کھانا

سُوال :- شبِ برات میں عید (خوشی) منانا اور حلوہ پکانا کیسا ہے؟ اگر بغیر ثواب کی نیت کے یوں ہی پکایا جائے تو کیا اس میں بھی حرج ہے۔ نیز کہیں سے آیا ہوا حلوہ کھانے میں کوئی حرج تو نہیں؟

جواب :- شبِ برات میں عید (خوشی) منانے اور حلوہ پکانے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔ لہٰذا یہ اُمور ناجائز اور بدعت ہیں۔ اگر محض رسم کے طور پر حلوہ پکایا جائے، ثواب کا عقیدہ نہ ہو تو بھی اس میں بدعت کی تائید و ترویج ہوتی ہے لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے، اسی بنار پر حلوہ قبول کرنے سے بھی بچنا چاہیئے، معہٰذا یہ حرام نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص۳۸۵ ج ۱)۔

مسئلہ :- کھانا تقسیم کرنے کے متعلق اس شب (شبِ برات) میں خاص طور پر کوئی روایت میری نظر سے نہیں گذری، البتہ اس شب کی جو فضیلت وارد ہوتی ہے وہ غروبِ شمس سے طلوعِ فجر تک ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۷۵ جلد ۱۰)

شبِ برات کے اَعمالِ مسنونہ

شبِ برات کی خصوصیات معلوم ہو چکیں ہمیں اس مبارک رات میں کیا کرنا چاہیئے اور خدا کی بے حد و حساب نعمتیں لُوٹنے کے لیے کس طرح یہ رات گذارنی چاہیئے۔

اَحادیث کے دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رات میں صرف تین اُمور ثابت ہیں، ان تینوں کو سنت کے طور پر اَدا کرنا خیر و برکت اور ثواب کا باعث ہے :-

(۱) پندرہویں شب میں قبرستان جائے اور کسی اہتمام والتزام کے بغیر جائے اور وہاں پہونچ کر مُردوں کے لیے دعار و استغفار کرے اگر صدقہ و خیرات دے کر اس کا ثواب بخش دیا جائے تو اس سے بھی مُردوں کو ثواب پہونچتا ہے۔ مگر اس میں آج کل کی مروّجہ رسموں

کا پابند نہ ہو، اور حدودِ شرعی سے تجاوز نہ کرے۔

(۲)۔ اس شب میں بیدار رہ کر خدا کی عبادت کرے، نفل نمازیں پڑھے مگر بلا جماعت اور جس قدر ہو سکے بلا تعیینِ تعداد پڑھے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرے یا سنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھے، اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے خوب دعاء کرے اور اپنے گناہوں سے استغفار اور توبہ کرے، خصوصاً ان گناہوں سے جن کے ہوتے ہوئے آج کی خیر و برکت والی رات میں بھی دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں۔ اور جو شخص طویل نماز پڑھنا چاہے وہ صلوٰۃ التسبیح پڑھے۔ خدا کے خوف سے روئے اور والدین اور اولاد کے حق میں دعائے خیر کرے اور تمام اہم امور سے متعلق دعاء کرے۔

(۳)۔ شبِ برات کے بعد والے دن میں یعنی شعبان کی پندرہویں تاریخ کو نفل روزہ رکھے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:۔ قُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا۔ یعنی پندرہویں کی رات میں شب بیداری کرو اور اس کے بعد والے دن میں یعنی پندرہویں کے دن میں روزہ رکھو، یہ تینوں باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ ان کا مسنون طریقہ سے ادا کرنا بہتر ہے۔ (شبِ برات صـ۲۲)۔

تنبیہ بعض مقامات پر شبِ برات میں شب بیداری کے لیے فرائض سے زیادہ لوگوں کو جمع کرنے اور بلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اجتماع سے شب بیداری اگرچہ سہل ہو جاتی ہے، مگر نفل عبادت کے لیے لوگوں کو ایسے اہتمام سے بلانا اور جمع کرنا درست نہیں ہے۔ نیز مساجد میں اکٹھے ہو کر جاگنا جیسا کہ آج کل رواج ہے، اکثر علماء نے مکروہ لکھا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتوں میں اور شبِ برات میں اور رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی (دس) راتوں میں اور ذی الحجہ کی اول دس راتوں میں جاگنا اور عبادت کرنا تنہا تنہا مستحب ہے۔ (الجواہر الزواہر صـ۲۵)۔

حدیث شریف سے اس زمانہ میں صرف تین کام ثابت ہوئے ہیں۔ ان کو بطور مسنون ادا کرنا موجب ثواب و برکات ہے۔

اول۔ پندرہویں شب کو قبرستان میں جا کر اموات کے لیے دعاء و استغفار کرنا،

اگر کچھ صدقہ وخیرات دے کر مُردوں کو اس کا ثواب بخش دیا جائے تو وہی استغفار اس کے لیے اصل نکل سکتی ہے کہ مقصود دونوں سے نفع رسانی اموات کی ہے، مگر اس میں کسی بات کا پابند نہ ہو، اگر وقت پر میسّر ہو تو خفیہ (خاموشی سے) کچھ دے دلا دے، باقی حُدودِ شرعی سے تجاوز نہ کرے۔

دُوم۔ اس شب میں بیدار رہ کر عبادت کرنا خواہ تنہا ہو یا دو چار آدمیوں کے ساتھ جن کے جمع ہونے کے لیے اہتمام نہ کیا گیا ہو۔

سُوم۔ پندرہویں تاریخ کو روزہ نفل رکھنا، ان عبادتوں کو مسنون طور پر ادا کرنا نہایت احسن ہے۔ (اصلاح الرسوم ص۱۳۴)۔

شبِ برأت کی مخصوص دعائیں

(۱) اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ اِلَيْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔ (الترغیب والترھیب ص۳۵۸ ج ۲)۔

(۲) اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (ابن ماجہ مظاہرِ حق ص ۶۸۵ ج ۲)۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "یہ دعا، خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھلاؤ، کیونکہ جبرئیلؑ نے یہ دعا، مجھے سکھلائی ہے۔" اسی لیے علماء رحؒ لکھتے ہیں کہ یہ دعا، دنیا اور آخرت کی تمام خیر و بھلائی کے لیے جامع ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے معاملہ میں عفو و درگزر اور مغفرت و بخشش ہی وہ سب سے عظیم سعادت ہے جو ہر خیر و بھلائی کا نقطۂ عروج ہے، چناں چہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ "بندہ کی طرف سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی سوال طلبِ عافیت و بخشش سے افضل نہیں ہے۔"

جہاں تک ہو سکے اسی دعا، کو یاد کیا جائے اور بچّوں کو بھی یاد کرائی جائے، کیونکہ آج کل بچے جھوٹی کہانیاں و قصّے اور گانے وغیرہ ان ہی کے الفاظ میں یاد

کر لیتے ہیں اور والدین بھی اس پر فخر کرتے ہیں۔

اور اگر یہ یاد نہ ہو سکے تو اپنی زبان میں خیر و عافیت و مغفرت طلب کرے، یا یہ دعار کرلے۔ مگر پہلے درود شریف پڑھے پھر دعار مانگے:۔

"اے میرے اللہ! تو ہی سب پر احسان کرنے والا ہے اور تجھ پر کوئی احسان نہیں کر سکتا۔ اے بزرگی و مہربانی رکھنے والے اور اے بخشش کا انعام کرنے والے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو گرتوں کو تھامنے والا، بے پناہوں کو پناہ دینے والا اور پریشان حالوں کا سہارا ہے۔ یا اللہ تیرے سوا کس سے مانگیں، تو ہی داتا ہے، اے اللہ اگر تو نے مجھے اپنے پاس اُم الکتاب میں بھٹکا ہوا یا محروم یا کم نصیب لکھ دیا ہے تو اے اللہ اپنے فضل و کرم سے میری خواری، بدبختی، راندگی اور روزی و رزق کی کمی کو مٹادے بے شک تیرا یہ کہنا تیری کتاب قرآن مجید میں جو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہونچی ہے سچ ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے بنا دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اے اللہ تجھ سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، سب کچھ تیرے اختیار میں ہے، تیرے پاس اُمّ الکتاب ہے۔ اے خدا تجلّیٔ اعظم کے صدقہ اس نصف شعبانِ مکرّم کی رات میں، جس میں تمام چیزوں کی تقسیم و نفاذ ہوتا ہے میری بلاؤں و پریشانیوں کو دُور فرما، خواہ میں ان کو جانتا ہوں یا نہ جانتا ہوں اور جن سے تو واقف ہے، بے شک تو ہی سب سے برتر اور بڑھ کر احسان کرنے والا ہے۔ اے اللہ! نیک اولاد عنایت فرما اور ہماری مغفرت فرما، اے اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما صغیرہ ہوں یا کبیرہ، یا اللہ بعض گناہ ایسے ہیں جو کہ ہم نے پوشیدہ طور پر کیے تھے کہ کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، اے اللہ تو نے پردہ پوشی فرمائی تو ہی معاف فرما اور آئندہ کے لیے ہدایت فرما، دین میں جو جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کو بھی معاف فرما، اے اللہ ایمان پر خاتمہ فرمایئے۔ اے اللہ ہمارے والدین اور اساتذہ اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما۔

اے اللہ! ہم سے مانگنا نہیں آتا ہے ہم وہ سب کچھ مانگتے ہیں جو تیرے نبی حضرت

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا، اور جس چیز سے پناہ مانگی ہم بھی اس سے پناہ مانگتے ہیں، اپنے پیارے حبیبؐ کے صدقہ ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔ (آمین یارب العالمین)۔ (احقر محمد رفعت عفا اللہ عنہ مدرس دار العلوم دیوبند)

شب قدر کی عظمت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ بے شک ہم نے قرآنِ پاک کو شب قدر میں اتارا۔ یعنی قرآن شریف کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اس رات میں اُتارا ہے یہ ہی ایک بات اس رات کی فضیلت کے لیے کافی تھی کہ قرآن جیسی عظمت والی چیز اس میں نازل ہوئی، چہ جائیکہ اُس میں اور بھی بہت سی برکات و فضائل شامل ہو گئے ہوں، آگے زیادتی شوق کے لیے ارشاد ربانی ہے:۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ آپ کو کچھ معلوم بھی ہے، کہ شب قدر کیسی بڑی چیز ہے یعنی اس رات کی بڑائی اور فضیلت کا آپ کو علم بھی ہے کہ کتنی خوبیاں اور کس قدر فضائل اس میں ہیں، اس کے بعد چند فضائل کا ذکر فرماتے ہیں:۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے اس سے زیادہ شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے، اور اس زیادتی کا علم بھی نہیں کہ کتنی زیادہ ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ اس رات میں فرشتے اُترتے ہیں۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ملائکہ نے جب ابتدا میں انسان کو دیکھا تھا تو اس سے نفرت ظاہر کی تھی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ ایسی چیز کو آپ پیدا فرماتے ہیں جو دنیا میں فساد کرے اور خون بہائے۔ اور آج جب کہ توفیقِ الٰہی سے تو (انسان) شب قدر میں معرفتِ الٰہی اور طاعتِ ربانی میں مشغول ہے تو

فرشتے اپنے فقرہ کی معذرت کرنے کے لیے اُترتے ہیں۔ وَالرُّوحُ فِيهَا، اس رات میں روح القدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی نازل ہوتے ہیں۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ شبِ قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ اُترتے ہیں اور جس شخص کو ذکر وغیرہ میں مشغول دیکھتے ہیں، اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امرِ خیر کو لے کر زمین کی طرف اُترتے ہیں۔

مظاہرِ حق میں لکھا ہے کہ اسی رات میں ملائکہ کی پیدائش ہوئی اور اسی رات میں حضرت آدم علیہ السلام کا مادہ جمع ہونا شروع ہوا، اسی رات میں جنت میں درخت لگائے گئے اور دعا وغیرہ کا قبول ہونا تو بکثرت روایات میں آیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اسی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور اسی رات میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔

سَلٰمٌ (الخ) وہ رات سراپا سلام ہے، یعنی تمام رات فرشتوں کی طرف سے مؤمنین پر سلام ہوتا رہتا ہے کہ ایک فرشتوں کی فوج (ٹکڑی) آتی ہے دوسری جاتی ہے۔ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۝ وہ رات (ان ہی برکات کے ساتھ) تمام رات طلوعِ فجر تک رہتی ہے، یہ نہیں کہ رات کے کسی خاص حصہ میں یہ برکت ہو اور کسی میں نہ ہو، بلکہ صبح ہونے تک ان برکات کا ظہور رہتا ہے۔ (فضائلِ رمضان المبارک ص۳۷ و معارف القرآن ص۷۹۱ جلد ۸)۔

ایک سُوال کا جواب

روایات میں شبِ قدر کو ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان ایک ہزار مہینوں کے اندر بھی ہر سال ایک شبِ قدر آئے گی تو حساب کس طرح بنے گا؟

ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہاں ایک ہزار مہینوں سے مراد وہ شب ہے جس میں شبِ قدر شامل نہ ہو، اس لیے اب کوئی اشکال نہیں۔ (معارف القرآن ص۷۹۲ ج۸)

(یہ جو فرمایا گیا ہے کہ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے

کہ ہزار مہینوں تک عبادت کرنے کا جتنا ثواب ہے اس سے زیادہ شب قدر کی عبادت کا ہے۔ اور کتنا زیادہ ہے۔ یہ خدا ہی کو معلوم ہے، جسے اللہ تعالیٰ زیادہ فرمائے اس کی زیادتی کا کیا ٹھکانا۔ دنیا ہی کا دستور ہے کہ بڑے لوگ تھوڑی بہت بڑائی کو کوئی بڑائی نہیں سمجھا کرتے، جس کی نظر اونچی ہوتی ہے وہ بہت اونچی چیز ہی کو اونچا مانتا ہے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ اُس زمانے میں عربوں کے یہاں ہزار سے آگے گنتی ہی نہ تھی، جیساکہ آج سے ہزار سال پہلے تمام دنیا میں سَو سیکڑے کی بہت ہی زیادہ اہمیت تھی۔ اور آج ؟

اور قرآن شریف چوں کہ انھیں کی زبان میں اور انھیں کے محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے، لہٰذا ان کے سامنے ہزار سے زیادہ کا کوئی عدد کیسے بولا جاسکتا تھا ؟۔ اس لیے ان کی آخری گنتی کا لفظ بول کر آگے اللہ تعالیٰ نے صرف اتنا فرمادیا کہ "اس سے بھی زیادہ"۔ اب اس سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے، کروڑ بھی اس میں آگیا اور ارب اور کھرب اور نیل و سنکھ اور مہاسنگھ سب اسی میں آگئے تو گویا شب قدر کی فضیلت کی زیادتی کی کوئی حد نہیں ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

کیا تمام دنیا میں ایک ہی وقت میں شبِ قدر ہوتی ہے ؟

مسئلہ :۔ اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں اور شہروں میں شب قدر مختلف دنوں میں ہو تو اس میں کوئی اِشکال نہیں، کیونکہ ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شب قدر قرار پائے گی اس جگہ اُسی رات میں شب قدر کی برکات حاصل ہوں گی۔ واللہ سبحانہٗ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ جس شخص نے شب قدر میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی اس نے بھی اس رات کا ثواب پالیا، اور جو شخص جتنا زیادہ کرے گا، زیادہ ثواب پائے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرلی تو آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا، اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کرلی تو پوری رات جاگنے، عبادت کرنے کا ثواب حاصل کرلیا۔ (معارف القرآن صـ۷۹۳ ج ۸)۔

شبِ قدر کے معنٰی قدر کے معنٰی عظمت و شرف کے ہیں، اور اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ اس رات کی عظمت و شرف ہے۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس رات کو لیلۃ القدر (شبِ قدر) اس وجہ سے کہا گیا کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس رات میں توبہ و استغفار اور عبادات کے ذریعہ وہ بھی صاحبِ قدر و شرف بن جاتا ہے۔

قدر کے دوسرے معنٰی تقدیر و حکم کے بھی آتے ہیں اس معنٰی کے اعتبار سے لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں تمام مخلوقات کے لیے جو کچھ تقدیرِ ازلی میں لکھا ہے اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آنے والا ہے وہ اِن فرشتوں کے حوالہ کردیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذِ اُمور کے لیے مامور ہیں۔

اور بعض حضرات نے جو لیلۂ مبارکہ سے نصف شعبان کی رات یعنی شبِ براءت مُراد لی ہے تو وہ اس کی تطبیق اس طرح کرتے ہیں کہ ابتدائی فیصلے اُمورِ تقدیر کے اِجمالی طور پر شبِ براءت میں ہوجاتے ہیں پھر ان کی تفصیلات لیلۃ القدر (یعنی شبِ قدر میں جو رمضان میں آتی ہے) میں لکھی جاتی ہیں۔ اس کی تائید حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے ہوتی ہے، اس میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سال بھر کے تقدیری اُمور کا فیصلہ تو شبِ برات یعنی نصف شعبان کی رات میں کرلیتے ہیں پھر شبِ قدر میں یہ فیصلے متعلقہ فرشتوں کے سُپرد کردیئے جاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)۔

اور یہ پہلے بھی لکھا جاچکا ہے کہ اُمورِ تقدیر کے فیصلے اس رات میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں جو اُمورِ تقدیر نافذ ہونے ہیں وہ لوحِ محفوظ سے نقل

کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیے جاتے ہیں۔ اور اصل نوشتۂ تقدیر ازل میں لکھا جا چکا ہے۔ (معارف القرآن ص۹۲ ج ۸)۔

شبِ قدر کیا ہے؟

رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات شبِ قدر کہلاتی ہے، جو بہت برکت اور خیر کی رات ہے۔ قرآن شریف میں اُس کو ہزار مہینوں سے افضل بتلایا ہے۔ ہزار مہینے کے تراسی ۸۳ برس چار ماہ ہوتے ہیں۔

خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہو جائے کہ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گزار دے۔ اس نے گویا تراسی سال چار ماہ سے زیادہ مدّت کو عبادت میں گذار دیا، اور اس زیادتی کا بھی حال معلوم نہیں کہ ہزار مہینے کتنے ماہ سے افضل ہیں۔ (عربوں کے یہاں اس زمانے میں ہزار سے آگے گنتی نہ تھی)۔

اللہ جل شانہٗ کا حقیقۃً بہت ہی بڑا انعام ہے کہ قدر دانوں کے لیے یہ ایک بے نہایت نعمت مرحمت فرمائی۔ درمنثور میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک نقل کیا گیا ہے کہ شب قدر اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کو مرحمت فرمائی ہے پہلی اُمتوں کو نہیں ملی۔ اس بارے میں مختلف روایات ہیں کہ اس انعام کا سبب کیا ہوا، بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی اُمتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت ہوئی ہیں اور آپؐ کی اُمت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں، اگر وہ نیک اعمال میں ان کی برابری کرنا چاہیں تو ناممکن، اس سے اللہ کے لاڈلے نبیؐ کو رنج ہوا۔ اس کی تلافی میں یہ رات مرحمت ہوئی کہ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں بھی نصیب ہو جائیں اور ان کو عبادت میں گزار دے تو گویا آٹھ سو تینتیس ۸۳۳ برس چار ماہ سے بھی زیادہ کامل عبادت میں گزار دیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ ایک ہزار مہینے تک جہاد کرتا رہا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر رشک آیا تو اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے اس کی تلافی کے لیے اس رات کا نزول فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار حضرات کا ذکر فرمایا حضرت ایوبؑ، حضرت زکریا، حضرت حزقیل، حضرت یوشع علیہم السلام کہ یہ سب اسّی اسّی برس تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے، اور پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حیرت ہوئی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضرِ خدمت ہوئے اور سورۃ القدر سنائی، اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں۔ اس قسم کے اختلافِ روایات کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی زمانہ میں جب مختلف واقعات کے بعد کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو ہر واقعہ کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ بہرحال آیت کے نازل ہونے کا سبب جو کچھ بھی ہوا ہو، لیکن اُمّتِ محمّدیہ کے لیے یہ اللہ جل شانہٗ کا بہت ہی بڑا انعام ہے، یہ رات بھی اللہ تعالیٰ کا عطیّہ ہے اور اس میں عمل بھی اسی کی توفیق سے میسّر ہوتا ہے۔ (فضائل رمضان المبارک ص۳۵، و مظاہرِ حق جدید ص۶۷۹ جلد ۲)۔

کمائی کی رات

اس رات کی فضیلت معلوم کرنے کے لیے اگرچہ قرآن کریم کی ایک مستقل سورت کافی ہے، لیکن نمونہ کے طور پر دو حدیثیں بھی لکھی جاتی ہیں:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (رواہ البخاری و مسلم)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص شبِ قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لیے) کھڑا ہوا، اُس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

تشریح:۔ اگر دنیا کے کاروباری کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں مہینے میں ہمارے قریب شہر میں ایک میلہ (نمائش وغیرہ) لگنے والا ہے جس میں اتنی آمدنی ہوگی کہ ایک روپیہ کے دس روپے بن جائیں گے اور سال بھر پھر کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی تو بتاؤ کون بیوقوف

ہے جو اس بہترین موقع کو کھو دے گا؟

اگر بتانے والے نے تاریخ نہ بھی بتائی ہوگی تو کسی نہ کسی طرح وہ تاریخ کا پتہ لگائیگا اور اگر تاریخ میں شبہ رہ جائے گا تو احتیاطاً کئی دن پہلے اس جگہ پر پہونچ جائے گا۔

اب ایک اور موقع نیکوں کے میلے کا بھی مؤمنوں کو دیا جارہا ہے مگر اتنی بات ہے کہ مہینہ تو بتادیا اور یہ بھی بتادیا کہ اس مہینے کی آخری تہائی حصہ میں ہے، لیکن تاریخ گول مول رکھی کہ دیکھیں نیکیوں کے شوقین اور خدا کی محبت اور اس کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اُلفت کا دم بھرنے والے کیا کچھ کرکے دکھاتے ہیں اور جب نبیؐ پاک نے اس رات کی تلاش میں پورے پورے مہینے کا اعتکاف کیا ہے، اس کے چاہنے والے کتنے دن اپنی راحت وآرام قربان کرتے ہیں؟۔ (الترغیب والترہیب صفہ ۹ ج ۲)۔

کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی اور عبادت تلاوت قرآن اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہو، اور ثواب کی اُمید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ریار وغیرہ کسی بدنیتی سے کھڑا نہ ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی نیت سے کھڑا ہو۔

خطابی علیہ الرحمہ کہتے ہیں:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کا یقین کرکے بشاشتِ قلب سے کھڑا ہو، بوجھ سمجھ کر، بددلی کے ساتھ نہیں۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جس قدر ثواب کا یقین اور اعتقاد زیادہ ہوگا، اتنا ہی عبادت میں مشقت کا برداشت کرنا سہل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قُربِ الٰہی میں جس قدر ترقی کرتا ہے عبادت میں اس کا انہماک زیادہ ہوتا رہتا ہے،

نیز یہ معلوم ہوجانا بھی ضروری ہے کہ اوپر والی حدیث اور اس جیسی اَحادیث میں گناہوں سے مراد علمار کے نزدیک صغیرہ گناہ ہوتے ہیں اس لیے کہ قرآنِ پاک میں جہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر آتا ہے، ان کا "اِلَّا مَنْ تَابَ" کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی بنار پر علمار کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔ پس جہاں اَحادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے علمار اس کو صغائر (معمولی چھوٹے گنا) کے ساتھ مقید

فرمایا کرتے ہیں۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ گناہوں پر ندامت ہو اور آئندہ کو نہ کرنے کا عزم ہو۔ اگر کسی شخص سے کبیرہ گناہ ہو گئے ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ شبِ قدر ہو یا اور کوئی قبولیت کا موقع ہو، اپنی بداعمالیوں سے سچے دل سے پختگی کے ساتھ دل و زبان سے توبہ بھی کرے تاکہ اللہ کی رحمتِ کاملہ متوجہ ہو اور صغیرہ و کبیرہ سب طرح کے گناہ معاف ہو جائیں۔ (فضائلِ رمضان المبارک ص۳۸)۔

(اگر یاد آجائے تو اس سیہ کار کو بھی اپنی مخلصانہ دُعاؤں میں شامل فرمالیں۔ رفعت)

فرشتوں کی آمد

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِیْلُ فِیْ کَبْکَبَۃٍ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ یُصَلُّوْنَ عَلٰی کُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ۔ (کذا فی المشکوٰۃ)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ شبِ قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اُترتے ہیں اور اس شخص کے لیے جو کھڑے یا بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہا ہے اور عبادت میں مشغول ہے دعاءِ رحمت کرتے ہیں۔

تشریح:۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا فرشتوں کے ساتھ آنا خود قرآن شریف میں مذکور ہے اور بہت سی احادیث میں بھی اس کی تصریح ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام فرشتوں کو تقاضہ فرماتے ہیں کہ ہر ذاکر و شاغل کے گھر جائیں اور ان سے مصافحہ کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے سے متفرق ہو جاتے ہیں اور کوئی گھر چھوٹا بڑا جنگل یا کشتی ایسی نہیں ہوتی جس میں کوئی مؤمن ہو اور وہ فرشتے مصافحہ کرنے کے لیے وہاں نہ جاتے ہوں (اس سے مراد دعاءِ خیر بھی ہو سکتی ہے اور خود مصافحہ بھی، کیونکہ فرشتے مجسم نور ہی نور ہوتے ہیں جو کہ ہم کو نظر نہیں آتے، اور محسوس بھی نہیں ہوتے، جس طرح سے مرنے والے کے پاس ملک الموت اور فرشتوں کی آمد اور بات چیت کا ذکر آتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اللہ والوں کو محسوس ہوتے

ہوں اور نظر بھی آتے ہوں۔ (محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

لیکن اُس گھر میں نہیں داخل ہوتے جس میں کُتّا یا خنزیر ہو یا حرامکاری کی وجہ سے ناپاک ہو یا تصویر ہو۔

مسلمانوں کے کتنے گھر ایسے ہیں جن میں خیالی زینت کی خاطر تصویریں لٹکائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمتِ رحمت سے اپنے ہاتھوں اپنے کو محروم کرتے ہیں، (کیونکہ تصویر لگانے والا ایک آدھ ہوتا ہے مگر اس گھر میں رحمت کے فرشتوں کے داخل ہونے سے روکنے کا سبب بن کر سارے ہی گھر کو اپنے ساتھ محرومِ رکھتا ہے۔ (فضائلِ رمضان صفحہ)

شب قدر کی تعیین نہ ہونے کا سبب

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَىٰ رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَىٰ فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسَىٰ اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ۔ (مشکوٰۃ شریف و بخاری شریف)۔

ترجمہ:۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لیے باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں شب قدر کی اطلاع فرما دیں، مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مَیں اس لیے آیا تھا کہ تمہیں شب قدر کی خبر دوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ جس کی وجہ سے اس کی تعیین اُٹھالی گئی، کیا بعید ہے کہ اٹھا لینا اللہ کے علم میں بہتر ہو، لہٰذا اب اس رات کو نویں اور ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔

تشریح:۔ اس حدیث میں تین مضامین قابلِ غور ہیں۔ سب سے پہلے اہم وہ جھگڑا ہے جو دو مسلمانوں میں ہو رہا تھا اور یہ اس قدر سخت بُری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے شب قدر کی تعیین اٹھالی گئی اور صرف یہی نہیں بلکہ جھگڑا ہمیشہ برکات سے محرومی کا سبب ہوا کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ تمھیں نماز روزہ

صدقہ وغیرہ سب سے افضل چیز بتلاؤں؟ صحابہ رضؓ نے عرض کیا ضرور۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس کا سلوک سب سے افضل ہے۔ اور آپس کی لڑائی دین کو مُونڈنے والی ہے، یعنی جیسے اُسترے سے سَر کے بال ایک دم صاف ہوجاتے ہیں، آپس کی لڑائی سے دین بھی اسی طرح صاف ہوجاتا ہے۔

آپؐ نے مسلمانوں کی آبروریزی کو بدترین سُود اور خبیث ترین سُود ارشاد فرمایا ہے، لیکن ہم لوگ لڑائی کے زور میں نہ مسلمان کی آبروریزی کی پرواہ کرتے ہیں، نہ اللہ اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا خیال ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے کہ شبِ برات میں اللہ کی رحمتِ عامہ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتی ہے (اور ذرا ذرا سے بہانے سے) مخلوق کی مغفرت فرمائی جاتی ہے، مگر دو شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی، ایک کافر، دوسرا وہ جو کسی سے کینہ رکھے۔

ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز قبولیت کے لیے ان کے سر سے ایک بالشت بھی اُوپر نہیں جاتی جن میں آپس کے لڑنے والے بھی فرمائے ہیں (فضائل رمضان المبارک ص۴۲)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ دو اشخاص جو اس موقع پر جھگڑنے لگے تھے، ان میں ایک کا نام عبداللہ ابن ابی حَدْرَد اور دوسرے کا نام کعب ابن مالک تھا۔

"شبِ قدر کی تعیین اٹھالی گئی"، کا مطلب یہ ہے کہ ان دو اشخاص کے جھگڑنے کی وجہ سے شبِ قدر کے تعین کا علم میرے ذہن سے محو کر دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں جھگڑنا اور منافرت اور دشمنی اختیار کرنا بہت بُری بات ہے، اس کی وجہ سے آدمی برکات اور بھلائیوں سے محروم ہوجاتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا "شاید تمہارے لیے یہی بہتر ہوگا"، کا مطلب یہ ہے کہ شبِ قدر کے بارہ میں جو متعین طور پر مجھے بتا دی گئی تھی، اب وہ بھلا دی گئی ہے، اگر میں تمھیں بتا دیتا تو تم لوگ صرف اسی شب پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاتے، اب اس کے تعین کا علم نہ ہونے کی صورت میں نہ صرف یہ کہ تم لوگ اس کو پانے میں بہت زیادہ سعی و کوشش کروگے بلکہ عبادت اور طاعت میں زیادتی بھی ہوگی جو ظاہر ہے تمہارے حق میں بہتر ہی

بہتر ہے۔ (مظاہر حق جدید صد ۲۸ ج ۲)۔

شب قدر کی پوشیدگی کا راز

جو چیز جتنی قیمتی اور اہم ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ محنت سے حاصل ہوتی ہے تو شب قدر جیسی قیمتی دولت بھلا بغیر محنت کے کیسے ہاتھ لگ سکتی تھی، اس لیے اس کی تاریخ گول مول رکھی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرٌ لَّكُمْ"، کیا خبر ہے تاریخ کا پتہ نہ دینے ہی میں تمہاری بھلائی ہو، (ابن کثیر صد ۵۳۴ ج ۴)۔

مطلب اس کا صاف ہے کہ اگر تاریخ معلوم ہو جاتی تو اس کی اتنی قدر نہ ہوتی، اور معلوم ہوتے ہوئے بھی پھر اس کی ناقدری کرنا سخت بدنصیبی اور محرومی کی بات تھی۔ مفسر قرآن علامہ ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہی ہے کہ اس کے طالب وشوقین پورے رمضان عبادتوں کا اہتمام کریں گے۔ (ابن کثیر صد ۵۳۴ ج ۴)۔

اگر شب قدر کی تعیین باقی رہتی تو بہت سی کوتاہ طبائع ایسی ہوتیں کہ اور راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتیں اور اس صورت موجودہ میں اس احتمال پر کہ آج ہی شاید شب قدر ہو متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق طلب والوں کو نصیب ہو جاتی ہے۔

اور ایک حکمت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ گناہ کیے بغیر ان سے رہا نہیں جاتا، شب قدر کی تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے اس رات میں کوئی گناہ کی جرأت کرتا تو سخت اندیشہ ناک تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک صحابیؓ سو رہے تھے، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو جگا دو تاکہ وضو کرلیں، حضرت علی رضؓ نے ان کو جگا دیا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ تو خیر کی طرف بہت تیزی سے چلنے والے ہیں، آپ نے خود کیوں نہیں جگایا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کہیں یہ شخص میرے جگانے پر انکار کر بیٹھتا اور میرے

کہنے پر انکار کرنا کفر ہو جاتا ہے۔ تیرے کہنے پر انکار کفر نہیں ہو گا"، تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت نے گوارا نہیں فرمایا کہ اس کی عظمت والی رات کے معلوم ہونے کے بعد کوئی گناہ پر جرأت کرے۔

منجملہ ان وجوہات کے ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات اتفاقاً چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی وغیرہ کی وجہ سے پھر کسی رات کا بھی جاگنا نصیب نہ ہوتا اور اب رمضان کی ایک دو رات تو کم از کم ہر شخص کو میسر آجاتی ہے۔

ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ جتنی راتیں طلب میں خرچ ہوتی ہیں ان سب کا مستقل ثواب علیحدہ ملے گا۔ ان کے علاوہ اور بھی مصالح ہو سکتی ہیں، ایسے ہی امور کی وجہ سے عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ اس نوع کی اہم چیزوں کو مخفی فرما دیتے ہیں، چناں چہ اسمِ اعظم کو پوشیدہ فرما دیا، اسی طرح جمعہ کے دن ایک وقتِ خاص مقبولیتِ دعا کا ہے، اس کو بھی مخفی فرمایا ہے۔ ایسے ہی اور بھی بہت سی چیزیں اس میں شامل ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جھگڑے کی وجہ سے اس خاص رمضان المبارک میں تعیینِ شبِ قدر بھلا دی گئی ہو، اور اس کے بعد دیگر مصالحِ مذکورہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے تعیین ہٹا دی ہو۔ (فضائلِ رمضان ص۴۴)

شبِ قدر کا حضورؐ کو علم دیا گیا تھا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ قدر کی تعیین کا علم دیا گیا تھا، اور اس کی اطلاع صحابہ رضؓ کو دینے کے لیے آپؐ اپنے دولت کدے سے باہر تشریف لائے مگر دیکھا کہ مسجدِ نبوی میں دو مسلمان کسی معاملے میں جھگڑ رہے ہیں، آپؐ نے ان کا جھگڑا ختم کرانے کی کوشش کی، اتنے میں وہ بات آپؐ کے ذہنِ مبارک سے نکل گئی جو ان دونوں کے جھگڑنے کی قباحت کے سبب ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا خدا کو سخت ناپسند ہے اور اس کی وجہ سے خدا کی بہت سی نعمتوں اور رحمتوں سے محرومی ہوتی رہے گی اس لیے اس سے ڈرنا چاہیے۔ تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس علم کے

حاصل نہ ہونے کی صورت میں بھی دوسری وجہ خیر کی پیدا ہوگی جس کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ قدر کی تلاش وجستجو سے اُمت کے لیے دوسری جہت خیر وفلاح کھل گئیں، اور اس کی فکر وطلب کرنے والوں کو حق تعالیٰ دوسرے انواع واقسام کے انعامات سے نوازیں گے، کیوں کہ ان سب راتوں میں شبِ قدر کی طلب وتلاش بھی مستقل عبادت بن گئی، جو تعیین کی صورت میں نہ ہوتی۔

(انوار الباری شرح البخاری ص۱۷۱ ج ۲)۔

علامہ زمخشری رحہ نے کہا "شاید شبِ قدر کی پوشیدگی میں یہ حکمت اور مصلحت ہے کہ اس کو تلاش کرنے والا سال کی اکثر راتوں میں اس کو طلب کرے تاکہ اس کو پالینے سے اس کی عبادت کا اجر وثواب بہت زیادہ ہوجائے۔

دوسرے یہ کہ لوگ اس کے معلوم ومتعین ہونے کی صورت میں صرف اسی رات میں عبادت کرکے بہت بڑا فضل وشرف حاصل کرلیا کرتے اور اس پر بھروسہ کرکے دوسری راتوں کی عبادت میں کوتاہی کیا کرتے، اس لیے بھی اس کو پوشیدہ کردیا گیا۔

(عمدۃ القاری ص۲۶۳ ج اول)۔

کیا شبِ قدر اَب بھی باقی ہے؟

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری محدث دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث "فَرُفِعَتْ" سے مراد یہ نہیں کہ اصل شبِ قدر ہی اٹھالی گئی، بلکہ اس کا علمِ تعیین اٹھالیا گیا، اگر شبِ قدر ہی باقی نہ رہتی تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اس کو تلاش کرنے کا حکم فرمارہے ہیں اس کا کیا فائدہ؟ (انوار الباری ص۱۷۱ ج ۲)۔

پانچ چیزیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں

شبِ قدر کے بارے میں قطعی خبر اس لیے نہیں دی گئی کہ کوئی شخص اس رات پر ہی بھروسہ نہ کرلے اور ایسا نہ کہے کہ میں نے اس رات میں جو عمل کرلیا وہ ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حسن دیا ہے مجھے درجہ عطا ہوا ہے میں جنت میں جاؤں گا۔ ایسا خیال اُسے سُست نہ بنادے، اور وہ اللہ سے غافل نہ ہوجائے۔

ایسا کرنے سے دنیاوی امیدیں اس پر غلبہ پالیں گی اور وہ اسے ہلاک کر دیں گی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کی عمر کے بارے میں بھی بے خبر رکھا ہے۔ اگر ہر شخص کو اپنی عمر کا پتہ ہو جاتا تو وہ کہتا کہ ابھی تو مرنے میں بہت دن پڑے ہیں، اس وقت دنیاوی لطف اٹھالیں، موت کا وقت آئے گا تو توبہ کر لیں گے، خدا کی عبادت کریں گے اور نیکوکار بن کر مریں گے۔

عمر سے اس لیے بے خبر رکھا گیا کہ آدمی ہر وقت ڈرتا رہے اور نیک کام کرے ہمیشہ توبہ کرے۔ اور جو شخص ایسا کرے اسے دنیا کی لذتیں حاصل ہوں گی اور آخرت میں خدا کے عذاب سے چھوٹ جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ ۱۔ لوگوں کی عبادت پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی ظاہر کرنے کو، ۲۔ گناہوں پر اپنے غضب اور غصہ کے ظاہر کرنے کو، ۳۔ وسطیٰ نماز کو دوسری نمازوں سے، ۴۔ اپنے دوستوں کو عام لوگوں کی نظروں سے، ۵۔ اور رمضان کے مہینے میں شب قدر کو۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۳۸)۔

بدنصیب کون ہے؟ دنیا والوں کی نظر میں تو سب سے بڑا بے وقوف اور نادان وہی ہے جو کمائی کا سیزن یوں ہی گنوا دے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میں سب سے بڑا بدنصیب اور محروم قسمت وہ ہے جو نیکیوں کا بہترین موقع ضائع کر دے اور کچھ نہ کر سکے۔ ارشادِ عالی ہے:۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ ھٰذَا الشَّھْرَ قَدْ حَضَرَکُمْ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ شَھْرٍ مَنْ حُرِمَھَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ وَلَا یُحْرَمُ خَیْرَھَا اِلَّا مَحْرُوْمٌ۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۲ ج ۲)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار جب رمضان المبارک کا مہینہ

آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اوپر یہ مہینہ آچکا ہے جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے، جو اس رات سے محروم رہ گیا وہ گویا ساری ہی بھلائی سے محروم رہا اور اس کی بھلائی سے وہی محروم ہوتا ہے جو واقعی محروم ہی ہو۔

ایمان کی کمی اور نیکیوں کی قیمت سے بے خبری اور بے توجہی کی بات ہے ورنہ کیا دنیا میں رات بھر جاگنے والوں کی کمی ہے؟ کیا رات بھر لوگ کھڑے نہیں رہتے؟ کیا اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے مسلسل کے پرزوں کی طرح کھانا پینا بھلا کر لوگ کام میں جتے نہیں رہتے؟ مگر رونا تو یہ ہے کہ خدا کے لیے کون جاگے، موت سے پہلے کی تیاری تو سب کر رہے ہیں، مگر موت کے بعد کی تیاری کون کرے؟۔

بس جسے مرنا ہوگا وہ اس کی تیاری بھی کرے گا اور جو نہیں کرتا اس کی محرومی میں شک ہی کیا ہے؟۔ اگر ساٹھ، ستر برس کی زندگی کے لیے انسان مارا مارا پھرتا ہے اور رات دن ایک کر دیتا ہے، تو لاکھوں کروڑوں برس نہیں بلکہ بے حد و بے شمار برسوں کی زندگی کے لیے کیا کچھ نہ کر ڈالنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کی تلاش میں پہلے شروع رمضان المبارک کے دس دنوں کا اعتکاف کیا، پھر دس دن کا اور کیا، جب بیس دن میں بھی شب قدر نہ ملی تو پھر آخری دس دن کا اعتکاف کیا اور پھر ہمیشہ انھیں دس دنوں کا اعتکاف فرماتے رہے۔ (رمضان کیا ہے؟ ص۱۵۷ بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص۱۸۲)۔

کیا خبر کہ یہ آخری شب قدر ہو؟

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ پوری رات کا جاگنا تو مشکل ہے اور تھوڑی بہت دیر جاگنے (عبادت کرنے) سے کیا فائدہ؟ لہٰذا چھٹی!

یہ خیال غلط ہے، اگر رات کے اکثر حصے میں جاگنا نصیب ہو جائے تو انشاء اللہ یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور پوری رات ہی جاگنا کون سا مشکل ہے؟

ہم اور آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ رمضان المبارک میں کتنے لوگ ایسے تھے

جو آج دنیا میں نہیں ہیں اور وہ رمضان ان کا آخری رمضان تھا۔ ہمیں کیا خبر ہے کہ آئندہ رمضان تک ہم میں سے کس کس کی باری ہے؟۔

اس لیے اگر اتنی بڑی نعمت حاصل کرنے کے لیے کوئی ایک دو رات جاگ ہی لیا تو کون سی بڑی بات ہے، لیکن اگر تمام رات جاگنا بس کا ہی نہ ہو تو اکثر حصّہ ہی سہی اور بہتر یہ ہے کہ یہ اکثر حصہ رات کا آخر ہو، کیونکہ اس وقت عبادت میں دل لگتا ہے اور شروعِ رات کے مقابلے میں آخرِ رات افضل بھی ہے۔ (رمضان کیا ہے؟ ص۱۶۳)۔

حکمتِ الٰہی اگر مسلسل دس رات جاگنے کا حکم دے دیا جاتا یا پانچ ہی راتوں کے اگر مسلسل جاگنے کا حکم ہوتا تو بہت سے لوگ اس کی ہمت نہ کرتے اور اگر بعض کر بھی لیتے تو تندرستی وصحت پر بُرا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے طاق راتوں میں (اکیس۲۱، تیئس۲۳ یعنی ایک رات چھوڑ کر) شبِ قدر بنا کر ان راتوں کو ایسے عجیب طریقے پر تقسیم کر دیا کہ ایک رات جاگ لیں اور دوسری کو آرام کر لیں، اسی طرح راتوں کا جاگنا بھی ہو جائے اور تن درستی پر بھی کوئی بُرا اثر نہ پڑے۔ (رمضان کیا ہے؟ ص۱۵۹)۔

شبِ قدر کب آتی ہے؟ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔

(مشکوٰۃ شریف عن البخاری)۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔

تشریح:۔ جمہور علماء کے نزدیک آخر عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے عام ہے کہ مہینہ ۲۹ تاریخ کا ہو یا ۳۰ تاریخ کا، اس حساب سے حدیث بالا کے مطابق شبِ قدر کی تلاش ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کی راتوں میں تلاش کرنا چاہیے اگر مہینہ ۲۹ دن کا ہو، تب بھی آخر عشرہ یہی کہلاتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ شبِ قدر نبی کے زمانہ کے ساتھ خاص رہتی ہے یا بعد میں بھی ہوتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت تک رہے گی۔ مَیں نے عرض کیا رمضان کے کس حصہ میں ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ عشرۂ اوّل اور عشرۂ آخر میں تلاش کرو، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باتوں میں مشغول ہوگئے، میں نے موقع پاکر عرض کیا کہ حضور! یہ تو بتلا دیجئے کہ عشرہ کے کونسے حصہ میں ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ناراض ہوئے کہ نہ اس سے قبل مجھ پر اتنے خفا ہوئے تھے اور نہ بعد میں ہوئے اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ کا یہ مقصود ہوتا تو بتلا نہ دیتے، آخر کی سات راتوں میں تلاش کرو، بس اس کے بعد کچھ نہ پوچھو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ شبِ قدر تمام رمضان میں دائر رہتی ہے۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے کہ تمام رمضان کی کسی ایک رات میں ہے جو متعین ہے مگر معلوم نہیں۔ شافعیہ رحؒ کا راجح قول یہ ہے کہ اکیسویں شب میں ہونا اقرب ہے۔ امام مالک رحؒ اور امام احمد بن حنبل رحؒ کا قول یہ ہے کہ رمضان کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں دائر رہتی ہے، کسی سال کسی رات میں اور کسی سال کسی دوسری رات میں۔ جمہور علماء رحؒ کی رائے یہ ہے کہ ستائیسویں رات میں زیادہ اُمید ہے۔

بہر حال ہر شخص کو اپنی ہمت اور وسعت کے موافق تمام سال اس کی تلاش میں کوشش کرنا چاہیئے، نہ ہو سکے تو رمضان بھر جستجو کرنی چاہیئے، اگر یہ بھی مشکل ہو تو رمضان المبارک کے آخر عشرہ کو غنیمت سمجھنا چاہیئے، اتنا بھی نہ ہو سکے تو عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے، اور اگر خدانخواستہ یہ بھی نہ ہو سکے تو ستائیسویں شب کو تو بہرحال غنیمت باردہ سمجھنا ہی چاہیئے، اگر تائیدِ ایزدی شاملِ حال ہے اور کسی خوش نصیب کو میسر ہو جائے تو پھر تمام دنیا کی نعمتیں اور راحتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، اگر میسر نہ ہو تو تب بھی اَجر سے خالی نہیں۔ بالخصوص مغرب وعشاء کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام تو ہر شخص کو تمام سال ہی ضروری

ہونا چاہیئے کہ اگر خوش قسمتی سے شبِ قدر کی رات میں یہ دو نمازیں جماعت سے میسّر ہو جائیں تو کس قدر باجماعت نمازوں کا ثواب ملے۔

اللہ تعالیٰ کا کس قدر بڑا انعام ہے کہ کسی دینی کام میں اگر کوشش کی جائے تو کامیابی نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کوشش کا اجر ضرور ملتا ہے۔ (فضائل رمضان المبارک از صـ ۳۹ تا صـ ۴۷)۔

سات کا عدد اور شبِ قدر

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے شبِ قدر معلوم کرنے کے لیے طاق اعداد میں غور کیا تو سات کا عدد اس کے لیے زیادہ موزوں نظر آیا۔ جب سات کے عدد میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ آسمان بھی سات ہیں اور زمینیں بھی سات۔ اور دریا بھی سات۔ صفا اور مروہ کے درمیان بھی سات ہی مرتبہ سعی کی جاتی ہے، کعبہ کا طواف بھی سات ہی مرتبہ کرتے ہیں، سنگریزے بھی سات ہی پھینکے جاتے ہیں۔ آدمی کی تخلیق (پیدائش) بھی سات اعضاء سے ہوئی ہے۔ انسان کا رزق بھی سات دانے ہیں۔ آدمی کے چہرے میں بھی سات ہی سوراخ بنائے گئے ہیں، یعنی دو کان، دو نتھنے، دو آنکھیں، ایک منھ۔ رحم کی حالتیں بھی سات ہیں۔ قرآن کی قراءتیں بھی سات ہیں۔ سجدہ بھی سات ہی اعضاء سے کیا جاتا ہے۔ دوزخ کے دروازے بھی سات ہیں، دوزخ کے نام بھی سات ہیں، دوزخ کے طبقے بھی سات ہیں، اصحابِ کہف بھی سات ہیں، عاد کی قوم بھی سات راتوں میں ہوا سے ہلاک ہوئی۔ یوسف علیہ السلام بھی سات برس تک جیل خانے میں رہے، سورۂ یوسف میں جن گایوں کا ذکر آیا وہ بھی سات تھیں۔ قحط بھی سات سال رہا، سات ہی سال فراخی اور کشادگی رہی۔ (فرعون کے خواب اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بیان کردہ تعبیر کی طرف اشارہ ہے) پانچ وقت کی نماز کی سترہ رکعتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حج کے بعد سات روزے رکھو۔ نسب کی رو سے سات قسم کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ سات عورتیں ہی سسرال میں حرام ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ کتا برتن میں منھ ڈال دے تو سات دفعہ اُسے دھونا چاہیئے، پہلی مرتبہ مٹی سے پھر پانی

ہے۔ سورۂ انا انزلناہ میں سلام تک ستائیس حروف ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام مصیبت میں سات برس گرفتار رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا تو میں سات برس کی تھی۔ گرمیوں کے دن بھی سات ہی ہیں (تین دن ماہِ شباط یعنی پھاگن کے اور چار دن آور یعنی چیت کے پہلے) پس یہ سات دن گرمیوں کو کاٹ دیتے ہیں یعنی ختم کر دیتے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت کے شہید بھی سات طرح کے ہیں ۱۔ وہ جو خدا کی راہ میں مارے گئے۔ ۲۔ وہ جو طاعون کی بیماری میں مریں۔ ۳۔ جو سِل کی بیماری سے مریں۔ ۴۔ جو پانی میں ڈوب کر مریں۔ ۵۔ جو آگ میں جل جانے سے مریں۔ ۶۔ جو اسہال یعنی دستوں کی بیماری سے مریں۔ ۷۔ اور وہ عورت جو نفاس کی حالت (ولادت) میں مر جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قسم بھی سات چیزوں کی کھائی ہے۔ ۱۔ آفتاب، ۲۔ چاشت کا وقت، ۳۔ چاند، ۴۔ دن، ۵۔ رات، ۶۔ آسمان، ۷۔ اور جس نے آسمان و زمین کو بنایا۔ (یہ کل سات ہوئے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد بھی سات گز لمبا تھا، حضرت موسیٰؑ کا عصا بھی سات گز لمبا تھا۔

دل چسپ نتیجہ: اس بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اکثر چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے سات کے حساب سے بنایا ہے۔ اگر شبِ قدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہے تو اوپر کے بیان سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ شبِ قدر ستائیسویں شب کو ہوگی۔

قرآن کریم میں سورۂ قدر میں سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ میں هِيَ کا لفظ ستائیس حروف کے بعد آتا ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شبِ قدر رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو ہوتی ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص۳۷۵)۔

ستائیسویں شب میں قرآن ختم کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ شب قدر کو رمضان المبارک کے آخر دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے۔ تو پھر ہمیشہ اور ہر سال رمضان لمبارک کی ستائیسویں شب کو ہی شب قدر منانا اور اسی شب میں قرآن شریف کا ہر سال ختم کرنا بدعت ہوگا یا نہیں؟ صرف اسی رات کو زیادہ عبادت کرنا اور خصوصاً حافظوں کا ختم قرآن کرنا کیسا ہے؟۔

جواب:۔ شب قدر، عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے، مگر بہت سے علماء نے قرائن سے ستائیسویں کو ترجیح دی ہے۔ اور ظنِ غالب یہ ہے کہ ستائیسویں شب ہے، لیکن اس پر یقین نہیں اس طرح کہ دوسری راتوں کی نفی (انکار) کر دیا جائے ظنِ غالب کی بنا پر۔

اگر ستائیسویں شب کو ختم قرآنِ پاک تراویح میں کیا جائے تو یہ افضل اور مستحب ہے۔ یقینی طور پر اسی رات کو شب قدر سمجھنا اور دوسری راتوں کی نفی کر دینا غلط ہے۔ ختم کا بھی (ہمیشہ ہی) اس شب میں التزام نہ کیا جائے۔ عبادت تلاوت، نماز وغیرہ کے لیے مساجد میں اس رات یا کسی اور رات میں جمع ہونا یا جماعت سے اہتمام کے ساتھ نوافل پڑھنا بدعت اور مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص۸۹ ج ۱)۔

شب قدر کی علامت

وَمِنْ اَمَارَاتِهَا اَنَّهَا لَيْلَةٌ بَلْجَةٌ صَافِيَةٌ سَاجِيَةٌ لَا حَارَّةٌ وَلَا بَارِدَةٌ كَاَنَّ فِيْهَا قَمَرًا سَاطِعًا وَلَا يَحِلُّ اَنْ يُّرْمٰى بِهٖ تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتّٰى الصَّبَاحِ وَمِنْ اَمَارَاتِهَا اَنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ صَبِيْحَتَهَا لَا شُعَاعَ لَهَا مُسْتَوِيَةً كَاَنَّهَا الْقَمَرُ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى الشَّيْطَانِ اَنْ يَّخْرُجَ مَعَهَا يَوْمَئِذٍ۔ (درمنثور عن اَحْمَد وَالْبَيْهَقِي)۔

ترجمہ:۔ اس رات کی منجملہ اور علامتوں کے یہ ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار

ہوتی ہے، صاف شفاف، نہ زیادہ گرم نہ زیادہ سرد، بلکہ معتدل، گویا اس میں (أنوار کی کثرت کی وجہ سے) چاند کھلا ہوا ہے۔ اس رات میں صبح تک ستارے شیاطین کے نہیں مارے جاتے، نیز اس کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے بعد کی صبح کو آفتاب بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے، ایسا بالکل ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودہویں رات کا چاند۔ اللہ جل شانہ' نے اس دن آفتاب کے طلوع ہونے کے وقت شیطان کو اس کے ساتھ نکلنے سے روک دیا (بخلاف اور دنوں کے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان کا اس جگہ ظہور ہوتا ہے)۔

تشریح:۔ اس حدیث میں شب قدر کی چند علامات ذکر کی گئی ہیں، جن کا مطلب صاف ہے کسی توضیح کا محتاج نہیں، ان کے علاوہ اور بھی بعض علامات روایات میں اور ان لوگوں کے کلام میں ذکر کی گئی ہیں جن کو اس رات کی دولت نصیب ہوئی بالخصوص اس رات کے بعد جب صبح کو آفتاب نکلتا ہے تو بغیر شعاع کے نکلتا ہے۔ یہ علامت بہت سی روایاتِ احادیث میں وارد ہوئی اور ہمیشہ پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ اور علامتیں لازمی اور ضروری نہیں ہیں۔ (فضائل رمضان ص۴۲)۔

حدیثوں میں شب قدر کی کچھ نشانیاں بتائی گئی ہیں جس رات میں وہ نشانیاں پائی جائیں سمجھ لو کہ یہ شب قدر ہے:۔

(۱)۔ سب سے صحیح پہچان شب قدر کی یہ ہے کہ اس رات کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو چودھویں رات کے چاند کی طرح بغیر کرنوں کے عام دنوں سے کسی قدر کم روشن ہوتا ہے۔ (عینی شرح بخاری ص۳۶۵ ج ۵)۔ یہ پہچان بہت سے لوگوں نے آزمائی ہے اور ہمیشہ پائی جاتی ہے۔

(۲)۔ وہ رات کھلی ہوئی روشن ہوتی ہے۔ (مسند احمد رواہ العینی ص۳۶۵)۔

(۳)۔ اس رات میں نہ زیادہ ٹھنڈ ہوتی ہے، نہ زیادہ گرمی۔ (ابن کثیر ص۴۳۱ ج ۴)۔

(۴)۔ اس رات میں آسمان میں تارے ٹوٹ ٹوٹ کر ادھر سے اُدھر نہیں جاتے۔ (ابن کثیر ص۴۳۱ ج ۴)۔

(۵)۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ اس رات میں ہر چیز زمین پر جھک کر سجدہ کرتی ہے اور پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے۔ (عینی ص۳۶۵ ج۵)
لیکن یاد رہے کہ یہ چیز ہر ایک کو نظر نہیں آتی، اور شاید بہت سوں کی تو سمجھ میں بھی نہ آئے۔
(۶) بعض علماء کا تجربہ ہے کہ اس رات میں سمندروں، کنوؤں کا کھاری پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ (العرف الشذی ص۳۲۷)۔
کچھ تعجب کی بات نہیں، اس رات میں رحمتِ الٰہی کی موسلا دھار بارشوں کا اثر اس قسم کی چیزوں میں بھی ظاہر ہو جائے لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اور ہر جگہ ہی ہوا کرے۔
(۷) بعض لوگوں کو کوئی خاص قسم کی روشنی وغیرہ بھی نظر آتی ہے، لیکن وہ اپنے اپنے حالات پر ہے، یہ کوئی خاص نشانی نہیں ہے، عام لوگوں کو اس کے چکر میں نہ پڑنا چاہیئے۔ (رمضان کیا ہے؟ ص۱۶۰)۔

شبِ قدر کے اعمال

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا أَقُوْلُ فِيْهَا قَالَ قُوْلِيْ اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔ (ترمذی وفی المشکوٰۃ)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے شبِ قدر کا پتہ چل جائے تو کیا دعا مانگوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللّٰھم سے آخر تک یہ دعا بتائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اے اللہ! تو بے شک معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے کو، پس معاف فرما دے مجھ سے بھی۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

تشریح: یہ نہایت جامع دعا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے آخرت کے مطالبہ سے معاف فرما دیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے۔ (فضائل رمضان ص۴۹)
اس رات میں جاگ کر نماز، تلاوت، درود شریف اور دعاؤں وغیرہ کا خوب اہتمام کرنا چاہیئے، اس رات کا کوئی خاص عمل نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے

سبھی اعمال کیے جائیں۔ اس طرح ہر قسم کے اعمال کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا، اور اُدل بدل کر عبادت کرنا آسان بھی ہوگا۔ کبھی تلاوت کرنے لگے تو کبھی تسبیحات میں مشغول ہو گئے۔

اس رات میں مسجدوں میں جمع ہونے اور باقاعدہ تقریریں وغیرہ کرنے کرانے سے اگرچہ یہ تو فائدہ ہوتا ہے کہ مل جُل کر جاگنا آسان ہو جاتا ہے مگر اس کی ہمیشہ پابندی کرنا اور بہت زیادہ اہتمام کرنا اچھا نہیں۔ علماء نے اس کو پسند نہیں کیا (مراقی الفلاح ص ۲۱۹)

اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضؓ کے دور میں شب قدر میں جاگنے کا یہ طریقہ نہ تھا۔ حالانکہ اس کی قیمت وہ حضرات ہم سے زیادہ پہچانتے تھے۔

دوسری ایک ضروری بات یہ ہے کہ ستائیسویں رات کو بہت زیادہ اہتمام کرنے کی وجہ سے عام لوگوں کا ذہن یہ بن جاتا ہے کہ آج ہی شب قدر ہے، حالاں کہ یہ غلط ہے کہ ستائیسویں رات کو یقینی طور پر شب قدر ہے۔ اس کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ کسی اور رات کو جاگنے، عبادت کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، جب کہ اس کے چھپانے کا ایک بڑا راز ہی یہ ہے کہ لوگ اس کی تلاش میں بہت سی راتوں میں عبادت کیا کریں۔ (رمضان کیا ہے؟ ص ۱۶۳)۔

(قارئین کرام کی سہولت کے پیشِ نظر صلوٰۃ التسبیح کے چند ضروری مسائل اور طریقہ نماز پیش ہے۔
اگر کوئی صاحب ہمت مبارک راتوں میں طویل عبادت کرنا چاہے تو یہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ صحیح احادیث میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے۔ محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ)۔

صلوٰۃ التسبیح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے فرمایا اے عباس! اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گراں قدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا میں آپ کو خاص بات بتاؤں؟ کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعتیں حاصل ہوں، وہ ایسا عمل ہے کہ) جب آپ اس کو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرمادے گا، اگلے اور پچھلے بھی، پرانے بھی اور نئے بھی، بھول چوک سے ہونے والے بھی، اور دانستہ ہونے والے بھی، صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی، اور علانیہ ہونے والے بھی، (وہ عمل نماز التسبیح ہے)۔ (میرے چچا) اگر آپ سے ہو سکے تو روزانہ یہ نماز پڑھا کریں اور اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں، اور اگر آپ یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک بار ہی پڑھ لیں۔ (ابوداؤد وابن ماجہ)۔

اِس نماز میں ایک خاص نکتہ ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز تسبیح کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں میں دخال کم،

نفلی نمازوں میں) بہت سے اذکار اور دُعائیں ثابت ہیں۔

اللہ کے جو بندے ان اذکار اور دُعاؤں پر قابو یافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کر سکیں اور اس وجہ سے ان اذکار و دعوت والی کامل ترین نماز سے وہ بے نصیب رہتے ہیں اُن کے لیے یہی صلوٰۃ التسبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح وتحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کر دی گئی ہے۔ اور چوں کہ ایک ہی کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اس لیے عوام کو اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں ہے۔

صلوٰۃ التسبیح کی خاص تاثیر

نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور معصیات کے گندے اثرات کے زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن شریف میں بھی فرمایا گیا:۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ" (سورۃ ھود، پارہ ۱۲)۔

لیکن اس تاثیر میں "صلوٰۃ التسبیح" کا جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، یعنی اس کی برکت سے بندہ کے اگلے پچھلے، پُرانے، نئے، دانستہ، نادانستہ، صغیرہ، کبیرہ، پوشیدہ، علانیہ، سارے ہی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین کرنے کے بعد اُن سے فرمایا:۔

"فَاِنَّكَ لَوْ كُنْتَ اَعْظَمَ اَهْلِ الْاَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَ لَكَ بِذٰلِكَ"

یعنی تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے گنہگار ہو گئے تو بھی اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرما دے گا۔ (معارف الحدیث صـ ۲۷۳ جلد ۳)۔

بعض محققین کا قول ہے کہ اس قدر فضیلت معلوم ہوجانے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس نماز کو نہ پڑھے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین کی کچھ عزّت نہیں کرتا (شامی علم الفقہ صفحہ ۴۹ جلد دوم)۔

صلوٰۃُ التسبیح کا ثواب عام ہے

سُوال:۔ صلوٰۃ التسبیح کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا، کیا اور اُمتی کو بھی ایسا ہی ثواب ملے گا یا نہیں؟۔

جواب:۔ حدیث شریف میں ہے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" الخ (مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان)۔ پس مدار ثواب کا نیت پر ہے۔ اگر لوجہ اللہ خالص نیت سے کوئی شخص پڑھے گا، ثواب بھی اسی قدر ملے گا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جو تعلیم فرمائی تھی، وہ ان کی خصوصیت نہ تھی۔ جیسے آپؐ کی دیگر ادعیہ (دعاؤں) اور اعمال کی تعلیم وبشارتِ ثواب عام تھی (فتاویٰ دار العلوم صـ۳۱۳ جلد ۴)۔

صلوٰۃِ التسبیح کی جماعت

جماعت نوافل کی خواہ صلوٰۃ التسبیح ہو یا کوئی دوسرے نوافل اگر بتداعی ہو (یعنی اگر باقاعدہ اہتمام کے ساتھ دو افراد سے زائد ہوں) مکروہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم صـ۳۱۳ جلد ۴۔ بحوالہ رد المحتار صـ۶۶۳ جلد اول باب الوتر النوافل)۔

تعلیم کی غرض سے جماعت کرنا

سُوال:۔ رمضان شریف کے آخری جمعہ میں صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھائی جاتی ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ جاہل لوگ صلوٰۃ التسبیح نہیں پڑھ سکتے، لہٰذا ان کو امام کی متابعت میں ثواب مل جائے گا۔

جواب:۔ اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ اس سے نماز فوت شدہ نمازوں کا کفارہ نہیں ہوتا

یہ خیال غلط ہے، اور امام کا خیال بھی غلط ہے۔ بدعت کا ارتکاب اس خیال سے درست نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۳۱۴ جلد ۴)۔

نماز میں ہاتھ کی کیفیت

سوال:۔ صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھے رکھے یا کھلے رکھے؟۔

جواب:۔ کھلے رکھنا ہی معمول بہ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۳۱۴ جلد ۴)۔

نماز کا طریقہ

صلوٰۃ التسبیح کی چار رکعتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، بہتر ہے کہ چاروں ایک سلام سے پڑھی جائیں، اگر دو سلام سے پڑھی جائیں تب بھی درست ہے۔ یعنی ایک ساتھ چار رکعتیں بھی پڑھ سکتے ہیں اور دو دو رکعت کر کے بھی پڑھ سکتے ہیں

ہر رکعت میں پچھتر ۷۵ مرتبہ تسبیح (سبحان اللہ) کہنا چاہیئے پوری نماز میں تین سو ۳۰۰ مرتبہ۔

نماز صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ نیت کرے:۔ نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ اَرْبَعَ رَکَعَاتِ صَلٰوۃَ التَّسْبِیْحِ۔ یا اُردو میں یوں کہے "میں نے یہ ارادہ کیا کہ چار رکعت نماز صلوٰۃ التسبیح پڑھوں، (یا دل میں خیال کرلے زبان سے کہنا بھی ضروری نہیں ہے)، تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ پوری پڑھ کر پندرہ مرتبہ (بغیر ہاتھ چھوڑے) کہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ پھر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر اَلْحَمْدُ شریف اور اس کے ساتھ اور سورت پڑھے، اس کے بعد دس مرتبہ وہی تسبیح پڑھے پھر رکوع سے اٹھ کر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کے بعد دس بار وہی تسبیح پڑھے پھر سجدہ میں جائے اور دونوں سجدوں میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے بعد اور سجدوں کے درمیان میں دس دس مرتبہ وہی تسبیح پڑھے۔ پھر دوسری رکعت میں اَلْحَمْدُ شریف سے پہلے پندرہ مرتبہ اور بعد اَلْحَمْدُ اور دوسری سورت کے دس مرتبہ اور رکوع

اور قومے اور دونوں سجدوں اور ان کے درمیان میں دس دس مرتبہ اسی تسبیح کو پڑھے اسی طرح تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی پڑھے۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح بھی آیا ہے کہ سُبحانَکَ اللّٰھُمَّ کے بعد اس تسبیح کو نہ پڑھے بلکہ الحمد اور سورت کے بعد پندرہ مرتبہ اور دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر دس مرتبہ اسی طرح دوسری رکعت میں بھی الحمد اور سورت کے بعد دس مرتبہ اور التحیات کے بعد دس مرتبہ پھر اسی طرح تیسری رکعت میں بھی اور چوتھی رکعت میں بھی درود شریف کے بعد دس مرتبہ باقی تسبیحیں بدستور پڑھے یہ دونوں طریقے ترمذی شریف میں مذکور ہیں۔ اختیار ہے کہ ان دونوں روایتوں میں سے جس روایت کو چاہے اختیار کرے اور بہتر ہے کہ کبھی اُس روایت کے موافق عمل کرے اور کبھی اِس روایت کے تاکہ دونوں روایتوں پر عمل ہوجائے۔ (شامی)۔

تسبیح کے شمار کا طریقہ

اس نماز کی تسبیحیں چوں کہ ایک خاص عدد کے لحاظ سے پڑھی جاتی ہیں یعنی قیام (کھڑے ہونے) کی حالت میں پچیس یا پندرہ مرتبہ اور باقی حالتوں میں دس دس مرتبہ، اس لیے اس کی تسبیحوں کے شمار کی ضرورت ہوگی اور اگر خیال ان کی گنتی کی طرف رہے گا تو نماز میں خشوع نہ ہوگا لہٰذا فقہاء نے لکھا ہے کہ ان کے گننے (شمار) کے لیے کوئی علامت مقرر کرے مثلاً جب ایک دفعہ کہہ چکے تو اپنے ہاتھ کی ایک انگلی کو دبالے، پھر دوسری کو، اسی طرح تیسری، چوتھی، پانچویں کو جب چھٹا عدد پورا ہوجائے تو دوسرے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں یکے بعد دیگرے اسی طرح دبائے، اس طرح پورے دس عدد ہوجائیں گے۔ انگلیوں کے پوروں پر نہ گننا چاہیے۔ اگر کوئی شخص صرف اپنے خیال میں عدد یاد رکھ سکے بشرطے کہ پورا خیال اسی طرف نہ ہوجائے تو اور بھی بہتر ہے۔ (شامی، علم الفقہ صہ ۵ جلد ۲)۔

ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ تسبیح (سُبحَانَ اللّٰہِ وَالحَمدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبَرُ) ہونی چاہیے اس سے کم نہ ہونی چاہیے۔ (فتاویٰ رحیمیہ صہ ۲۴۲ جلد اول)۔

اگر نمازِ تسبیح میں بھول ہو جائے؟

اگر بھولے سے کسی مقام کی تسبیحیں چھوٹ جائیں تو اُن کو اُس دوسرے مقام میں ادا کرلے جو پہلے سے ملا ہوا ہو بشرطیکہ یہ دوسرا مقام ایسا نہ ہو جس میں دوگنی تسبیحیں پڑھنے سے اس کے بڑھ جانے کا خوف ہو، اور اس کا بڑھ جانا پہلے مقام سے منع ہو، مثلاً قومے کا رکوع سے بڑھا دینا منع ہے۔ پس رکوع کی چھوٹی ہوئی تکبیریں قومہ میں نہ ادا کی جائیں بلکہ پہلے سجدے میں اور اسی طرح دونوں سجدوں کی درمیانی نشست کا سجدوں سے بڑھا دینا منع ہے لہٰذا پہلے سجدے کی چھوٹی ہوئی تکبیریں درمیان میں نہ ادا کی جائیں بلکہ دوسرے سجدے میں۔ (علم الفقہ ص۵ جلد ۲)

صلوٰۃ التسبیح میں اگر کسی موقع کی تسبیح بھول کر دوسرے رکن میں پڑھے لیکن رکوع میں اگر تسبیح رہ گئی ہے تو قومہ میں نہ پڑھے بلکہ پہلے سجدہ میں پڑھے، اسی طرح سجدہ کی فوت شدہ تسبیح جلسہ (دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے) میں نہیں بلکہ دوسرے سجدہ میں پڑھے کیونکہ قومہ (رکوع کے بعد) اور جلسہ مختصر رکن ہیں، ان میں پڑھے گا تو طوالت ہو جائے گی جو اُن کی وضع کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص۲۴۲ جلد اول)۔

تمّت بالخیرہ

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا بِعَمَلٍ یُحِبُّکَ فِی لَیْلَۃِ الْقَدْرِ وَالْبَرَاءَۃِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَالدِّیْنِ آمین یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

محمد رفعت قاسمی غفرلہٗ مدرس دارالعلوم دیوبند (انڈیا)

مورخہ ۲۰ رجب ۱۴۱۲ ہجری۔ مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۹۲ عیسوی

کتابت:۔ محمد انور دیوبند ۶۹۲

۷۸۶

گرامی قدر مکرم جناب حافظ نور محمد صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ آنجناب کے سوالات کا جواب درج ذیل ہے:

(۱) شب براءت کے بارے میں فضیلت کی بعض روایات درجہ حسن تک پہنچی ہوئی ہیں
نیز اس بارے میں جملہ روایات تقریباً دس صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں، ان میں
اکثر اگرچہ انفرادی طور پر سنداً متکلم فیہ ہیں، لیکن مجموعے کو بے اصل نہیں
کہا جا سکتا۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ شب براءت میں عبادت فضیلت رکھتی ہے
البتہ اس رات میں کوئی مخصوص عبادت ثابت نہیں۔ جس عبادت کی بھی
توفیق ہو جائے، کرنی چاہئے۔

والسلام

احقر
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
دار العلوم کراچی ۱۴
۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۰۵ھ

یہ مکتوب محترم جناب حافظ نور محمد صاحب جھنجھانوی مدظلہ کے توسط سے
ہمیں دستیاب ہوا ہے۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت فیوضہم
نے جہاں بہت سے علمی اشکالات کے جوابات مرحمت فرمائے ہیں، ان میں
سے ایک شب براءت کے متعلق بھی ہے۔
مناسب معلوم ہوا کہ اس کو کتاب کے آخر میں شامل کتاب کر دیا جائے۔

محمد ذبیح قاسمی
یکم رجب ۱۴۱۷ھ

شب برأت اور علمائے دیوبند کا موقف

مفتی اسعد قاسم سنبھلی (مہتمم جامعہ شاہ ولی اللہ مرادآباد)

گزشتہ چند سالوں سے شب برأت کا مسئلہ ایک زبردست اختلاف کا موضوع بن گیا ہے جب کہ پہلے اس کی بابت نہ ایسا کوئی خاص اختلاف تھا، نہ عوام ہی شک وشبہ میں مبتلا تھے، ہر سال وہ شب بیداری کا پیغام لے کر آتی اور امت تلاوت وعبادت کے ساتھ زیارت قبور کی سعادت حاصل کرتی تھی مسلمانوں کا ہندوستان میں بھی یہی معمول رہا، لیکن جب سے پاکستان کے مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی نے اس مسئلے میں غلو اختیار کر کے شب برأت کو شیعی بدعت قرار دیا اسی وقت سے یہ ایک مستقل اختلاف کا موضوع بن گیا، مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی بقلم خود ناصبی ہیں، اور اہل سنت والجماعت کے تمام اسلاف واکابر کے خلاف ان کا رویہ باغیانہ اور نہایت توہین آمیز ہے، اور شیعیت کی ضد میں وہ علماء دیوبند تک کو نشانہ بنانے سے نہیں چوکتے اس لئے اہل نظر کے نزدیک تو ان کے خیالات کی کوئی اہمیت نہیں لیکن جو لوگ ان کے پس منظر سے ناواقف ہیں وہ ان غلط افکار سے متاثر ہو کر شب برأت کا کھلم کھلا انکار کر رہے ہیں، ہم ان ہی حضرات کی اصلاح وتشفی کے لئے چند امور قلم بند کرتے ہیں پھر اس کے بعد اکابر دیوبند اور تمام مکاتب فکر کے علماء کے حوالے بھی نقل کریں گے۔

(۱) حدیث کی اصولاً تین قسمیں ہیں: صحیح، حسن، ضعیف پہلی دو تو تقریباً ہر باب میں قابل قبول ہیں، لیکن تیسری قسم ضعیف کو محدثین چند شرائط کے ساتھ صرف فضائل میں معتبر مانتے ہیں، شب برأت فضائل ہی کا باب ہے، احکام کا نہیں، ملا علی قاری شب برأت سے متعلق حدیث کو ضعیف قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں: **لکن یعمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال باتفاق العلماء** (مرقاۃ ۲/۱۷۲) علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

(۲) علم حدیث کا اصول ہے کہ ایک ضعیف روایت اگر متعدد اسناد کے ساتھ نقل ہو تو حسن لغیرہ بن جاتی ہے، اور اس پر عمل کرنا (مخصوص احوال کو چھوڑ کر) محدثین کے نزدیک جائز ہے، شب برأت سے متعلق احادیث کا یہی حال ہے کہ وہ جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند بزار اور بیہقی میں مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہیں، اسلئے ان پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور شب

برأت کو ہرگز بدعت نہیں کہا جاسکتا۔

(۳) اگر کسی ضعیف روایت کی تائید امت کے تعامل سے ہوتی ہو، اور مسلمان اس پر شروع ہی سے عمل کرتے آئے ہوں تو اس میں مزید قوت آجاتی ہے، اور اسے رد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے زور دے کر لکھا ہے کہ اس رات میں صحابہ وتابعین سے عبادت کرنا، مضبوط روایات سے ثابت ہے (شب برأت: ص ۸) نیز سورۂ دخان کی لیلۂ مبارکہ سے شب برأت مراد لینا گو واقع میں صحیح نہ ہو لیکن اس سے یہ شہادت ضرور ملتی ہے کہ یہ رات خیر القرون ہی سے معروف ہے، اور اسے آج کسی نے اچانک نہیں گڑھا ہے، شب برأت کی روایت تقریباً دس صحابہ کرام سے مروی ہے، اس لئے امام سیوطی نے الدر المنثور (۶/۲۶، ۲۸) میں علامہ کشمیریؒ نے العرف الشذی (۱/۱۹۵) میں حضرت تھانوی نے امداد الفتاویٰ (۴/۱۸ تا ۳۵) میں، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی نے فتاویٰ دار العلوم (۶/۵۰۰) میں شیخ سہارنپوری نے اپنے معمولات برائے متوسلین میں، مولانا نعمانی نے معارف الحدیث میں اور مفتی محمد تقی عثمانی نے درس ترمذی (۲/۵۸۰) میں اس کی اہمیت وعظمت کو تسلیم کیا ہے، جب کہ مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان اور مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی مفتی دار العلوم دیوبند نے اسے ثابت کرنے کیلئے مستقل کتابیں لکھی ہیں، اسی طرح محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے اس موضوع پر ایک فتویٰ دیا ہے جس میں ان لوگوں کا رد ہے، جو محض اسناد کے ضعف کی بنیاد پر شب برأت کا انکار کر رہے ہیں۔

یہ اکابر دیوبند کا موقف ہے، اب جہاں تک دوسرے مکاتب فکر کا سوال ہے تو ہماری معلومات کی حد تک وہ بھی سب شب برأت کی اہمیت وعظمت کے معترف وقائل ہیں، بریلوی حضرات کا موقف تو بالکل واضح ہے، جب کہ اہل حدیث عالم مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی میں کتاب الصوم باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان کے تحت شب برأت کو پوری قوت سے ثابت کیا ہے، اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے، اس لئے شب برأت کے انکار سے پہلے بہت کچھ سوچنا چاہئے، اور بعض حضرات جو بلا تحقیق اس کے انکار پر اڑے ہیں، ان کی روش بلاشبہ غلط اور نہایت خطرناک ہے، باری تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر گامزن رکھے، آمین!

بہ شکریہ ترجمان دار العلوم، اکتوبر ۲۰۰۳

ہماری اہم کتابیں

مکتبہ قاسمی مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی

Designed by Mehar Alam